بچوں کی تعلیم، تربیت اور تفریح کے لیے خوبصورت رسالہ

مزے دار کہانیاں، سبق آموز قصے، دل چسپ انعامی سلسلے، اسلامی تاریخی واقعات

ماہنامہ **جگنو** لاہور

سنسنی خیز، جاسوسی اور مہماتی سلسلہ وار ناول، معلومات سے بھرپور مضامین

اپریل 2023ء کا شمارہ شائع ہو گیا ہے!

آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے خرید یے یا ہاکر (اخبار والے) سے کہہ دیجیے کہ ہر ماہ ماہنامہ جگنو لاہور گھر دے جایا کرے۔

- جنگو کلاسک ادب سے محمد عادل منہاج کے قلم سے ''مجرم کا ہاتھ''
- قرۃ العین خرم ہاشمی، نزہت جبین ضیا، شازیہ ستار نایاب اور مہوش اسد شیخ، کی عید اور رمضان کہانیاں
- نمرہ ابرار مغل، بہرام علی وٹو، سائرہ شاہد اور رمشا جاوید کی عید اور رمضان کہانیاں،
- انعم توصیف کی سرورق کہانی ''مزے دار راز'' اور آئی جی غلام رسول زاہد کی کہانی ''دوست کی واپسی''
- ''مجرم کا بھوت'' مشہور مصنف عاطر شاہین کے سلسلے وار جاسوسی ناول کی آٹھویں قسط
- تنزیلہ احمد کا خصوصی ناول ''وطن کے امین'' کی آخری قسط
- چلڈرن لٹریری سوسائٹی ایوارڈز کی روداد قرۃ العین خرم ہاشمی کے قلم سے
- اس کے علاوہ شازیہ ستار نایاب، امان اللہ نیر شوکت، مصعب شاہین اور انصار علی معروفی کی خوب صورت نظمیں

بچوں کی تعلیم، تربیت اور تفریح کے لیے خوبصورت رسالہ

مزے دار کہانیاں، سبق آموز قصے، دل چسپ انعامی سلسلے، اسلامی تاریخی واقعات

ماہنامہ **بچوں کی دُنیا** لاہور

سنسنی خیز، جاسوسی اور مہماتی سلسلہ وار ناول، معلومات سے بھرپور مضامین

اپریل 2023ء کا شمارہ شائع ہو گیا ہے!

آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے خرید یے یا ہاکر (اخبار والے) سے کہہ دیجیے کہ ہر ماہ ماہنامہ بچوں کی دُنیا لاہور گھر دے جایا کرے۔

- نذیر انبالوی صاحب کی آپ بیتی ''کہانی کچھ یوں ہے!'' کی اگلی قسط
- آئی جی غلام رسول زاہد، محمد بن کریم، شمائلہ نور، نیلم علی راجہ کی مزے دار کہانیاں
- خنسا محمود، ندیم اختر، بہرام علی وٹو، نادیہ احمد، نگینہ بشیر احمد، مبشر عطاری اور مریم شہزاد کی دل چسپ کہانیاں
- زاہدہ عروج کا خصوصی ناول ''چھ دہائیوں کا سفر'' اور قرۃ العین خرم ہاشمی کی سرورق کہانی ''دادو کی جادوئی کھجوریں''
- شہزادی ہدیٰ انجم کا خصوصی انٹرویو
- شہزادی ہدیٰ انجم کے سلسلہ وار ناول ''سرکل'' کی آخری قسط
- چلڈرن لٹریری سوسائٹی ایوارڈز کی روداد دانیال حسن چغتائی کے قلم سے
- اس کے علاوہ نازیہ نزی، صاعقہ علی نوری، پروانہ برہان پوری، بنت مسعود احمد اور مصعب شاہین کی خوب صورت نظمیں

مسلسل اشاعت کا 48 واں سال

گروپ ایڈیٹر: محمد فہیم عالم

بچوں کا باغ

رمضان المبارک/1444ء اپریل/2023ء

جلد: 48 / شمارہ: 04

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر عمران مشتاق

مدیر: ڈاکٹر سلمان غزالی

منتظم حصہ نظم: مصعب شاہین

پروف خوانی: نعیم احمد میال، شہزادی ہدیٰ انجم، طیبہ زاہد

کمپوزنگ: عاطر شاہین

سرکولیشن مینیجر: حافظ محمد انجم

زیر اہتمام: چلڈرن لٹریری سوسائٹی

پرنٹر: بچوں کا کتاب گھر

قیمت فی شمارہ

-/100 روپے

بچوں کا باغ

21- فرسٹ فلور، ہادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

042-37300590

0335-1620824

بات چیت

''بچوں کا باغ'' کے لفظ جب سنائی دیتے ہیں تو ذہن میں ایک خوب صورت باغ کا خیال آتا ہے جہاں بچے کھیل رہے ہوں اور بڑے بھی ماحول سے لطف اندوز ہو رہے ہوں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس باغ میں گھنے پودے اور پروان چڑھیں اور نئے پھول اور کلیاں بھی کھلتی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی مشکل معاشی حالات کے باوجود ہم ''بچوں کا باغ'' کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور نا صرف رسالے کو جاری رکھ رہے ہیں۔

اس حوالے سے 05-03-2023 کو چلڈرن لٹریری سوسائٹی نے لاہور میں ایک تقریب منعقد کی اور اس میں بچوں کا باغ کے لکھاریوں کو مدیران کی طرف سے نقد انعامات اور چلڈرن لٹریری سوسائٹی کی طرف سے کتابیں بھی دی گئیں۔ تقریب کا احوال، تصویروں کے ساتھ ان شاء اللہ رسالے میں بھی چھاپا جائے گا۔

ہمارا مشن ہے ادب کی خدمت، بچوں کی خدمت اور لکھنے والوں کی پذیرائی۔ شاید کہ بچوں کے مستقبل اور پاکستان کے مستقبل میں کچھ ہمارا بھی حصہ ڈل جائے۔

رمضان کے خوب صورت اور بابرکت مہینے کو ہم کیسے بھول سکتے ہیں۔ رمضان کے مہینے سے بھرپور فائدہ اٹھائیں، روزے رکھیں، نیک کام کریں، اخلاق بہتر بنائیں اور قرآن مجید کو ترجمے کے ساتھ پڑھیں تاکہ آپ قرآن کو سمجھیں اور اس خوب صورت کتاب کے انمول موتیوں کو اپنے اعمال اور زندگی کی لڑی میں پروئیں۔ بہت سا پیار۔

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر عمران مُشتاق

پیارے پیارے
ماہنامہ
بچوں کا باغ
لاہور

شہ سرخیاں

اپریل
2023ء

06 حمد باری تعالیٰ — زین العابدین زینی
07 نعت رسول ﷺ — انعم توصیف
08 المومن جل جلالہ — ام محمد عبداللہ
11 وہ عید — مریم خراسانی
15 گاؤں کی عید — ماہین خالد
18 نیکیوں والا پلڑا — غلام فرید کمبوہ
21 ماہ شوال — رمشا خان
23 نظم آہا بچو عید آئی! — امان اللہ نیر شوکت
24 پہلا روزہ — فاطمہ ساجد
26 نظم چاند اچھا ساتھی — صدف جمال
27 تدوین قرآن مجید — دانیال حسن چغتائی
29 سلسلہ وار ناول مرنے کے بعد — مقبول جہانگیر
35 ماہِ رحمت — حمیرا علیم
39 نظم رحمت کا فیضان — محمد ایوب الرحیم
40 کالی اور بالی — فہیم زیدی
44 نظم تتلی پیاری تتلی — شیخ فرید
46 سیرت ﷺ کی کہکشاں — محمد فیصل علی
49 سلسلہ وار ناول آسیبی پرستار — قرۃ العین خرم ہاشمی
60 سرورق کہانی شکر گزاری — فاکہہ قمر
64 طوطستان کا مٹھو — سائرہ شاہد
65 نظم دیکھو میری عیدی آئی — معاذ معاویہ
66 رمضان کوئز برائے اطفال — ادارہ
67 انٹرویو امان اللہ نیر شوکت — ذوالفقار علی بخاری
72 ہنسی کا باغ — ادارہ
10 اونٹ — مبشرہ خالد
73 سائنس انکوائری — نیر ابدالی
75 تبصرہ و تعارف خرگوش کا پراسرار مہمان — محمد فیصل علی
77 75 سالہ بوڑھی داستان — تہنیت افتخار

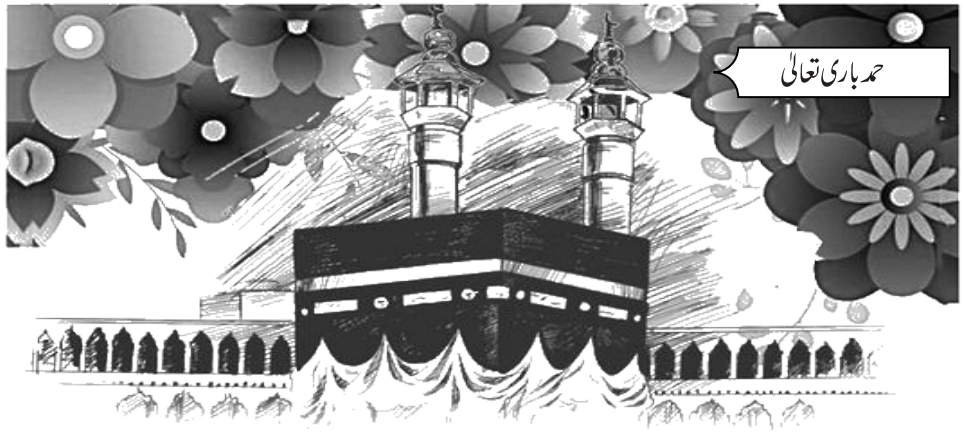

جہاں دیکھا، جدھر دیکھا، اسے جلوہ نما پایا

زین العابدین زینی۔ اٹک

ہر اک مشکل میں رب کی ذات کو مشکل کشا پایا
پڑی حاجت کوئی جس دم اسے حاجت روا پایا

زمانے میں جو نبیوں کو کسی مشکل نے آ گھیرا
اسی کے سامنے سب کو ہے محوِ التجا پایا

لگائی آگ جو نمرود نے بغض پیمبر میں
بنی گلزار جب اس آگ نے حکم خدا پایا

کبھی آدم کے سجدوں میں کبھی یونس کے گریہ میں
اسی کی جستجو دیکھی اسی کا تذکرہ پایا

جہاں بھر کے نظاروں میں ستاروں مرغزاروں میں
جہاں دیکھا، جدھر دیکھا اسے جلوہ نما پایا

اسی کی ذات کا جلوہ ازل سے تھا ابد تک ہے
اسی کو ابتدا دیکھا، اسی کو انتہا پایا

میں قلبِ مضطرب کو لے کے گھوما چار سو لیکن
اسی کا نام درد دل کی، اے زینی! دوا، پایا

●●●

نعت شریف ﷺ

درودوں کی تسبیح پڑھتا رہوں گا!

میں مدحت نبی ﷺ جی کی کرتا رہوں گا
درودوں کی تسبیح پڑھتا رہوں گا
ہزاروں بھی جانیں جو مل جائیں مجھ کو
میں ناموس پر ان ﷺ کے مرتا رہوں گا
مصیبت کے دھکے گرائیں گے مجھ کو
تو نام ان ﷺ کا لے کر سنبھلتا رہوں گا
وہ ﷺ محشر میں ہوں گے مرے سامنے جب
تو چہرے کو ان ﷺ کے ہی تکتا رہوں گا
وہ ﷺ جب آخرت میں پلائیں گے کوثر
تو ضد اور پینے کی کرتا رہوں گا
مرا نام توصیف، خادم میں ان ﷺ کا
میں توصیف ان ﷺ کی ہی کرتا رہوں گا

انعم توصیف۔کراچی

اسمائے حسنیٰ

المومن جل جلالہ

ام محمد عبداللہ۔اسلام آباد

المومن جل جلالہ اللہ رب العزت کے خوبصورت صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے معنی امن دینے والا کے کیے جاتے ہیں جبکہ اس کے دیگر معانی میں تصدیق کرنے والا اور ایمان دینے والا بھی شامل ہیں۔

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں صرف ایک بار سورہ الحشر کی آیت نمبر 23 میں آیا ہے۔ جہاں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وہی اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ، پاک ذات، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑی عظمت والا ہے، اللہ پاک ہے اس سے جو اس کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ المومن جل جلالہ جہاں اس کائنات کی نفع بخش اشیاء و مخلوقات کا خالق ہے وہیں اس ذات باری تعالی نے کئی ضرر رساں چیزیں بھی تخلیق فرمائی ہیں مگر یہ اس ہی کی قدرت کاملہ ہے کہ وہ ان گنت نقصان پہنچانے والی بیماریوں، جراثیموں، درندوں، مصیبتوں، بلاؤں اور ان گنت ممکنہ حادثوں سے ہمیں محفوظ و مامون رکھتا ہے۔

اللہ المومن ہی کی ذات ہے جو امن اور ایمان عطا کرنے والی ہے۔ اللہ تعالی کا ہم بندوں پر خاص کرم ہے کہ اس نے ہمیں میں رسول برحق خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا پھر ان کے ذریعے ہمیں دولت ایمان سے سرفراز فرمایا۔ بے شک یہ دولت ایمان ہی ہے کہ جس کی بدولت خوف زدہ

معاشروں کی فضا پرامن ہو جاتی ہے۔ جان و مال کو لاحق خطرات دور ہو جاتے ہیں۔ دعوت اسلامی کی راہ میں کھڑی رکاوٹیں مسمار ہو جاتی ہیں۔

جب انسان کا یقین و ایمان اس اسم مبارک پر قائم ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالی کا فرمانبردار بندہ بن کر جینے کی کوشش و لگن میں رہتا ہے۔ اسے ذہنی و قلبی امن وسکون عطا ہوتا ہے۔ اسے اس فانی دنیا اور چند روزہ دنیا کے غم و مصائب سے نمٹنے کا حوصلہ بھی عطا ہو جاتا ہے۔ بندہ مومن جانتا ہے کہ المومن جل جلالہ بے شک اسے اس دنیا میں بھی عافیت عطا کرنے پر قادر ہے اور ابدی دنیا میں بھی ان شاء اللہ! اپنی رحمت خاص سے اسے اپنے عذاب سے امن عطا کر کے جنت میں داخل فرمائے گا۔

اللہ المومن سچ کو پسند فرماتے ہیں۔ آپ سچ بولنے والوں کی نہ صرف حفاظت فرماتے ہیں بلکہ ان کی سچائی کو ثابت کرنے کے اسباب بھی پیدا فرماتے ہیں۔

جیسا کہ ہم سیرت رسول حضرت محمد ﷺ کے ابواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک جانب تو اصحاب رسول محمد ﷺ اللہ المومن کے عطا کردہ ایمان کی برکت سے کفار قریش کے ظلم وستم کے سامنے ڈٹے رہے تو دوسری جانب اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو کافروں کی ایذا رسانی سے نہ صرف امن دیا بلکہ ان پر فیصلہ کن فتح عطا فرما کر دین حق اسلام کی سچائی کو ثابت بھی فرما دیا۔

اپنے مالک کے اس اسم مبارک سے فیض حاصل

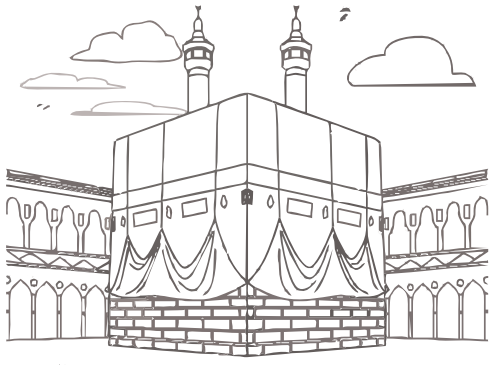

کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ پاک کی تخلیق کردہ تمام مخلوق کو اپنے شر و برائی سے بچائیں اور انھیں امن وسکون عطا کرنے والے بنیں جیسا کہ عبد اللہ بن عمرو اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا رسانی) سے مسلمان محفوظ رہیں۔

اور یہ بھی کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کون سا مسلمان سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا رسانی) سے مسلمان محفوظ رہیں۔

اسی طرح اگر ہمیں کسی قسم کی خوف و پریشانی ہو تو ہم اپنے اللہ المومن کو اس مسنون دعا کے ذریعے پکار سکتے ہیں۔

''اے اللہ! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال، اور ہمارے خوف کو امن سے تبدیل کر دے۔''

....❁....

اونٹ

مبشرہ خالد۔ کراچی

قرآن مجید میں جن سات جانوروں کا ذکر ہے اس میں مکھی، کوا، اونٹ، گھوڑا، وہیل، بھیڑیا اور ہاتھی شامل ہیں ان جانوروں کا ذکر قرآن میں مختلف مناسبت سے ہیں جیسے بھیڑیا کا حضرت یوسف سے اور وہیل مچھلی کا حضرت یونس سے چونکہ ان جانوروں کا ذکر قرآن میں ہے اس لیے ان جانوروں کی اہمیت بھی بڑھ جاتی ہے اور ان جانوروں کے بارے میں جاننا بھی معلومات میں اضافہ کے مترادف ہوتا ہے اس لیے آج جانتے ہیں کچھ اونٹ کے بارے میں:

۱) سواری

اونٹ کو ریگستان کا جہاز کہا جاتا ہے۔

۲) قومی جانور

اونٹ سعودیہ کا قومی جانور ہیں۔

۳) ذخیرہ اندوزی

اونٹ سات دن تک پیاسا رہ سکتا ہے کیوں کہ وہ اپنے کوہان میں پانی جمع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۴) خوراک

اونٹ بھس اور گھاس وغیرہ کھاتا ہے۔

۵) دودھ

اونٹنی کا دودھ پینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہیں اور مفید سمجھا جاتا ہے۔

۶) قربانی کا جانور

اونٹ کو قربانی کے لیے بھی پسند کیا جاتا ہے۔

۷) طاقتور دانت

اونٹ کے دانت اتنے طاقت ور ہوتے ہیں کہ یہ انسانی کھوپڑی کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

....❁....

وعید

مریم خراسانی

ریل گاڑی میں ایک بار پھر قیامت کی سی خاموشی چھا گئی تھی۔ ایک گہرے سکوت کا پردہ پھر سے تن گیا تھا اور لال سرخ خون اب ریل گاڑی کے دروازوں سے ٹپکنے لگا تھا۔

صبح صبح کا وقت تھا۔ سورج ابھی ابھی طلوع ہو رہا تھا۔ زنگ آلود لوہے والی پٹری پر ایک پرانی سی ریل گاڑی کھڑی تھی۔ ریل گاڑی کی ایک بوگی ریل گاڑی سے کافی دور جہاں پر پٹری کا موڑ تھا، اوندھی پڑی تھی۔ ریل گاڑی کے پیچھے محض ایک ہی بوگی موجود تھی۔ غالباً باقی بوگیاں بھی ایک ایک کر کے اوندھی پڑی بوگی کی طرح ریل گاڑی سے جدا ہو چکی تھیں۔

ریل گاڑی کی کھڑکیاں بھی خستہ حال تھیں۔ عجیب بات یہ تھی کہ ان کھڑکیوں سے لال لال قطرے گر رہے تھے۔ خون کے قطرے۔

باہر کے منظر سے زیادہ ریل گاڑی کے اندر کا منظر دل دوز و دل سوز تھا۔ کٹے پھٹے انسانی اعضا کا اندر ڈھیر سا لگا ہوا تھا۔ ریل گاڑی کے فرش پر بچوں، بوڑھوں، مردوں، عورتوں کی خون میں لت پت لاشیں پڑی تھیں۔ کسی کا بازو کٹا ہوا تھا، کسی کی ٹانگ غائب تھی۔ خون کا ایک تالاب تھا جو ریل گاڑی کے فرش پر دیکھنے کو ملتا تھا۔ وہ تالاب دھیرے دھیرے اب مزید پھیلتا ہوا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ایک قیامت تھی جو ریل گاڑی میں سفر کرنے والوں پر گزری تھی۔ ظلم و ستم کی سلسلہ وار کہانی کی ایک اور خونی قسط تھی

جو آج برصغیر کے دوسرے علاقوں اور مقامات پر دکھائے جانے کے علاوہ یہاں پر بھی پیش کی گئی تھی۔

''پپ.... پانی....''

لاشوں کے ڈھیر میں سے ایک آواز برآمد ہوئی تھی۔

''یہاں پانی کی ایک بوند بھی نہیں ہے میرے عزیز! جو ہم تم کو پلا سکیں۔'' ریل گاڑی کے فرش پر لیٹے ہوئے ایک سفید ریش بوڑھے نے اس کو جواب دیا۔ اس بوڑھے کی داہنی ٹانگ کٹی ہوئی تھی اور بایاں بازو بھی جسم سے تقریباً جدا ہو چکا تھا۔ جھریوں بھرے چہرے پر بے شمار زخم تھے جن سے خون بہہ رہا تھا۔

''آہ! بڑی شدت کی پیاس لگی ہوئی ہے۔'' دم توڑتی آواز پھر آئی۔

''میرے عزیز! تسنیم، کوثر اور سلسبیل کا ٹھنڈا پانی جی بھر بھر کے پئیں گے۔ فی الحال کچھ دیر کے لیے دنیا کے پانی کی طلب کو دبانے کی کوشش کرو۔'' بوڑھے کی آواز بھی پیاس کی شدت اور نقاہت سے لرز رہی تھی لیکن لہجہ بہت جان دار تھا۔

اس کے کہنے کے بعد ریل گاڑی میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔ ایک گہرا سکوت تھا جو ہر طرف طاری ہو گیا۔

کافی دیر قیامت کی خاموشی چھائی رہی پھر بالآخر اس سکوت کو سفید داڑھی اور سرخ بالوں والے اسی زخمی بوڑھے نے توڑا۔

''کوئی ہم سفر ہے جس کی روح نے ابھی تک جنتوں کی جانب پرواز نہ کی ہو....؟ کوئی ایسا ہے جو میری طرح ابھی تک زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہو؟''

اس کو کوئی جواب نہ ملا۔

''آہ! شاید بس ایک میں ہی رہ گیا ہوں اس عالم میں اکیلا....'' الفاظ بوڑھے کے منہ میں تھے کہ ریل گاڑی کے ایک گوشے سے نسوانی آواز ابھری۔

''میں بھی زندہ ہوں ابھی تک۔'' وہ کوئی بڑھیا تھی۔

''کچھ سانس تو.... مجھ میں بھی.... باقی ہے۔'' ایک طرف سے کسی نوجوان کی آواز سنائی دی۔ وہ بہت مشکل سے رک رک کر بول رہا تھا۔

''کیا پاکستان جانے والا کوئی قافلہ یہاں سے نہیں گزرا جو ہمیں بھی اپنے ساتھ لے جاتا؟'' بڑھیا نے بڑی مشکل سے پوچھا۔ شاید وہ ابھی ابھی ہوش میں آئی تھی۔

''پاکستان جانے والے قافلے لٹ گئے ہیں۔ کوئی ایک آدھ خوش نصیب قافلہ ہی بخیر و عافیت اپنی منزل تک پہنچ سکا ہے۔ البتہ قافلے جنتوں کی جانب ضرور چل دیے ہیں۔'' بوڑھے نے خواب ناک لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

''ایسے نہ کہو بھائی! ہجرتوں کے سب ہی قافلے خوش نصیب ہوا کرتے ہیں۔ پھر چاہے یہ قافلے لٹ جائیں یا منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔ ان کی خوش قسمتی پر کسی صورت شک نہیں کیا جا سکتا۔'' بڑھیا نے کہہ کر ایک گہری سانس لی اور پھر بولی:

''راہِ حق کے مسافروں کا سفر ہی شام کے لیے ہوا کرتا ہے۔ ہم قربانیاں دیں گے تب ہی پاکستان کی بنیاد مضبوط رہے گی۔ ہم کٹیں گے تو ہی لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ پاکستان کی پہچان بنے گا۔ ہم اپنا خون بہائیں گے تو ہی پاکستان نام کا اسلامی چمن لہلہائے گا۔ یہ خون مسلمانوں کا خون ہے، ہر چیز سے زیادہ قیمتی، کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ۔ یہ خون ایک ایسے شجر کی آب یاری میں صرف ہو رہا ہے جس کے سائے تلے

مسلمان ہمیشہ امن وسکون سے رہا کریں گے۔ یہ خون ہرگز ضائع نہیں جائے گا۔ اس خون کی برکت سے ہمارا پیارا وطن اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگا اور بہت جلد طاقت ور ترین ملک بن کر ہمارے دشمنوں اور قاتلوں، انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں سے ہمارے اس لہو کے ایک ایک قطرے کا حساب لے گا۔ ان شاءاللہ!''

''ان شاءاللہ!'' سب نے بیک وقت کہا۔ اس بار بوڑھے اور نوجوان کی آوازوں میں ایک اور بوڑھے کی آواز بھی شامل تھی جو دو نوجوان لاشوں کے نیچے دبا ہوا تھا۔

جذبہ، عزم اور مقصد اگر سچے اور مخلص ہوں تو انسان کو کبھی ہمت نہیں ہارنے دیتے اور نہ ہی کبھی بوڑھا ہونے دیتے ہیں۔ اپنے کنبوں کے کنبے، خاندانوں کے خاندان راہِ حق میں ذبح کروا کر بھی وہاں کوئی شکستہ دل نہیں تھا۔ کوئی ناامید یا مایوس نہیں تھا کیوں کہ وہ سب جانتے تھے کہ وہ صراط مستقیم یعنی بالکل سیدھے راستے پر ہیں۔ انھیں رب تعالیٰ کی رضا اور مدد و نصرت حاصل ہے۔ ساری مخلوق ان کی کامیابی اور حفاظت کے لیے دعا گو ہے کیوں کہ وہ صرف ایک اللہ کو ماننے والے ہیں۔ صرف ایک اللہ کی ماننے والے ہیں۔

''کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ پاکستان یہاں سے کتنا دور ہوگا؟'' نوجوان نے پوچھا۔ وہ اپنی تمام تر ہمت جمع کر کے بھی مشکل سے ہی بول پا رہا تھا۔

''کچھ پتا نہیں۔ میرے اندازے کے مطابق تو پاکستان کوئی ایک میل کے فاصلے پر ہی رہ گیا ہے۔'' بوڑھے کی سفید داڑھی لہو میں تر ہوتی جا رہی تھی۔

''قسمت بھی کیا چیز ہے، لکھنؤ سے سفر کرتے کرتے یہاں تک پہنچ آئے لیکن سارے راستے میں امن ہی رہا۔ ہمارا قافلہ سارا راستہ ہندوؤں اور سکھ بلوائیوں کی نظروں میں آنے سے محفوظ رہا۔ اب جبکہ ہم پاکستان کے اتنے قریب پہنچ چکے تھے، بلوائیوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔'' بڑھیا کی بوجھل آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

''اچھا تو اماں آپ لکھنؤ سے آ کر اس قافلے میں شامل ہوئی ہیں؟'' نوجوان چونک سا گیا۔

''جی بیٹا!''

''تم کہاں سے فردوس کے سفر پر چلے تھے بیٹا؟'' بوڑھے نے پوچھا۔

''میں امرتسر سے چلا ہوں تایا جان۔''

''آج عید کا پہلا دن ہے۔ میرا روزہ ہے ابھی تک۔ افطار کرنے کے لیے نہ کوئی چیز ملی اور نہ ہی وقت۔ بلوائیوں نے کل عصر کے بعد حملہ کیا تھا، کیا تم سب بھی روزے سے ہو؟'' بڑھیا نے استفسار کیا۔

''ہاں! ہمارا بھی روزہ ہے۔ جنت میں جا کر افطار کریں گے۔ ایسا طویل روزہ اسلام کی تاریخ میں شاید ہی کبھی رکھا گیا ہو۔'' بوڑھے نے مسرور لہجے میں کہتے ہوئے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا تو خون کی دو تین بوندیں اس کی داڑھی سے پھسلتی ہوئی سینے پر جا گریں۔

بڑھیا نے گہری سانس لے کر کہا:

''ایک کسک سی ہے دل میں کہ کاش! پاکستان کو اپنی اسلامی مملکت کو ایک نظر بھر کر دیکھ لوں۔ پھر اس کے بعد اور کوئی حسرت نہیں۔'' دونوں ٹانگوں سے محروم وہ یوں پرجوش انداز میں بول رہی تھی جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہ

ہو۔

''اس کسک کو دل سے نکال دو بہن۔ بعد میں آنے والے مسلمان اسلامی مملکت میں امن و عافیت سے رہ سکیں، ان کا دین و ایمان، جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ رہے، ہمیں یہی کافی ہے۔ باقی رہی پاکستان کی زیارت تو پاکستان کا نظارہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو جنت کے بالا خانوں پر بیٹھ کر بھی دیکھنے کو مل جائے گا۔'' دوسرے بوڑھے نے نزع کے عالم میں کہا اور پھر بہشت سدھار گیا۔

''اللہ تمھیں جزائے خیر دے میرے بھائی!'' بڑھیا بھی یہ کہہ کر کلمہ طیبہ پڑھنے لگی تھی۔

نوجوان کی جھیل جیسی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''تایا جان! اگر آپ کی قسمت میں پاکستان کی مقدس سرزمین پر پہنچ جانا لکھا ہو تو پاکستان کو، اسلامی ریاست پاکستان کو مجھ خاکسار کا سلام عرض کر دیجیے گا۔''

بوڑھے نے اثبات میں سر ہلایا، پھر کچھ سمجھ کر بے ساختہ مسکرا دیا اور اپنے جسم کی طرف دیکھنے لگا جہاں بلا شبہ خون کی محض چند بوندیں ہی باقی رہ گئی تھیں۔ اس بوڑھے کی داہنی ٹانگ کٹ کر دور پڑی تھی اور اس کے ساتھ فرش پر حملہ آور ہونے والی ایک خوں چکاں تلوار بھی ٹوٹے ہوئے پھل کے ساتھ موجود تھی جس کو کوئی بلوائی بے کار سمجھ کر یہیں چھوڑ گیا تھا۔

''پاکستان کا مطلب کیا؟'' نوجوان کی دم توڑتی آواز آئی۔

بوڑھے نے پہلے سے بھرپور جوش و جذبے کے ساتھ جواب دیا۔

''لا الٰہ الا اللہ.....''

دونوں افراد کی آوازیں یکے بعد دیگرے گونجی تھیں۔

اس کے ساتھ ہی پٹڑی کے دونوں طرف موجود گنجان درختوں میں سے چند پرندے پھڑ پھڑا کر نکلے اور قلابازیاں کھاتے ہوئے فضا میں غائب ہو گئے۔

چند لمحوں کے بعد ریل گاڑی میں موجود دونوں افراد بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکے تھے۔

ریل گاڑی میں ایک بار پھر قیامت کی سی خاموشی چھا گئی تھی۔ ایک گہرے سکوت کا پردہ پھر سے تن گیا تھا اور لال سرخ خون اب ریل گاڑی کے دروازوں سے ٹپکنے لگا تھا۔

وہ سب اس اسلامی ریاست کے قیام و بقا کے لیے قربان ہوئے تھے جس کو پاکستان کہا جاتا ہے اور جس میں ہم رہتے ہیں۔ ان اور ان جیسے بیس لاکھ شہدا کا خون آج ہم سے پوچھ رہا ہے کہ کیا یہ وہی پاکستان ہے جس کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے جان و مال نچھاور کیے تھے اور جانوں پر کھیل کر اس ملک کو اس کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد کے خونی نتائج سمیت خوشی خوشی قبول کیا تھا؟

ذرا سوچیے! ستائیس رمضان المبارک کو تعمیر ہونے والے پاکستان اور آج کے پاکستان میں کتنا فرق ہے؟ ان مسلمانوں میں اور ہم میں آج کس قدر تفاوت ہے اور یہ بھی کہ ہم نے وطنِ عزیز پاکستان کی اسلامی بنیاد کے لیے آج تک کیا کچھ کیا ہے؟

.....❁.....

گاؤں کی عید

ماہین خالد۔ گوہدو، ٹیکسلا

دروازے پہ مسلسل بجتی گھنٹی کی آواز سن کر افطاری کے لیے پکوڑوں کا آمیزہ تیار کرتی دعا جھنجھلائی ہوئی اٹھی اور ہاتھ جھٹکتی ہوئی بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ مسلسل بجتی ہوئی گھنٹی نے تو گویا دعا کا پارہ چڑھا دیا تھا۔ لگتا تھا کہ کوئی گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر ہٹانا ہی بھول گیا ہو۔ گرمی اور روزے کی وجہ سے جھنجھلائی ہوئی دعا نے جیسے ہی دروازہ کھولا، حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

❀

”کیا یہ تمھارا آخری فیصلہ ہے؟“ عبدالکریم کی آواز کمرے میں گونجی تو سر جھکائے حمزہ نے سر اٹھا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا جس کی آنکھ میں امید کی ایک آخری کرن باقی تھی۔

”جی بابا! میں نے گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ آپ زمین کے لیے کوئی مددگار رکھ سکتے ہیں۔“

مطمئن سے حمزہ کا جواب سن کے عبدالکریم کی آنکھوں میں موجود امید کی وہ آخری کرن بھی بجھ گئی۔ جھٹکے سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھے اور مڑ کر بیٹے کی طرف دیکھا۔

”ٹھیک ہے، تم جاسکتے ہو۔“ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔

❀

متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے عبدالکریم اپنی تھوڑی سی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی سے گاؤں میں سفید پوشی کی زندگی بسر کررہے تھے۔ ان کی بیوی چند سال قبل چل بسی تھی اور اب دونوں بچوں کی پرورش کی ذمہ داری ان کے کندھوں تھی۔ بڑے بیٹے حمزہ کو میٹرک تک گاؤں کے ہائی اسکول میں پڑھانے کے بعد جب تعلیم حاصل کرنے کے لیے شہر بھیجا تو شہر کی رنگینیوں نے اس کو جکڑ لیا۔ چھوٹی بیٹی دعا نے والد کی گرتی صحت کے سبب میٹرک کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ تعلیمی سال مکمل کرنے کے بعد حمزہ جب گاؤں لوٹا تو اس کا ارادہ مستقل شہر میں منتقل ہونے کا تھا جبکہ اس کے والد کی خواہش تھی کہ وہ گاؤں میں ہی رہ کر ان کا ہاتھ بٹائے۔ بیٹے کی ضد کے ہاتھوں مجبور ہوکر عبدالکریم نے اسے شہر جانے کی اس شرط پر اجازت دے دی کہ وہ ملنے کے لیے گاؤں آتا رہے گا۔

❀

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ اسکول سے واپس آ کر کاشان اور عدیل اپنے کمرے میں جا گھسے۔ سارا دن گھر میں خاموشی چھائی رہی۔ افطاری کے بعد جب وہ اپنے والد کے پاس اپنا مدعا لے کر پہنچے تو حمزہ پریشان ہوگیا۔ بچوں نے اپنی سارے دن کی منصوبہ بندی اپنے والد کے گوش گزار کردی تھی۔

”لیکن بیٹا! یہ خیال آپ کے ذہن میں آیا کیسے؟“ حمزہ نے کاشان سے سوال کیا جو اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

”بابا! ہمارا دوست ہے وہاج، وہ اپنی فیملی کے ساتھ عید منانے گاؤں جاتا ہے۔ ہم بھی اس عید پہ دادا کے پاس گاؤں جانا چاہتے ہیں۔“ کاشان کے جواب پر حمزہ کو معاملہ سمجھ آنے لگا۔

”لیکن ہم گاؤں نہیں جاسکتے۔“ حمزہ نے کہا تو عدیل جھٹ سے بولا:

”لیکن کیوں بابا! گاؤں میں دادا جان اکیلے رہتے ہیں۔ اس عمر میں ان کو آپ کی ضرورت ہے اور آپ ان کو ملنے تک نہیں جاسکتے۔“ عدیل کے جواب پر حمزہ خاموش ہوگیا تو کاشان نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

”آپ ہمیں تعلیم دلوا رہے ہیں اور اگر ہم پڑھ لکھ کر آپ سے دور چلے جائیں تو آپ کو کیسا لگے گا؟“

کاشان کی بات پر حمزہ چونکا اور بیٹے کی طرف دیکھنے لگا جو مسلسل بول رہا تھا۔

”سورۃ الاسراء کی آیت نمبر 23 میں اللہ کہتا ہے:

”اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمھارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اف تک نہ کہو، اور نہ ہی انھیں جھڑکو بلکہ ان سے عزت سے بات کرو۔“

جبکہ دادا جان گاؤں میں کئی برس سے اکیلے رہتے ہیں اور آپ نے ان کی کبھی خبر تک نہ لی۔“

اپنے والد کو خاموش دیکھ کر کاشان پھر سے شروع ہوا۔

”آپ کو معلوم ہے بابا! ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں

داخل نہیں ہوگا۔'' کاشان خاموش ہوا تو حمزہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

گاؤں سے آنے کے بعد کچھ ماہ تو وہ اپنے والد کو فون کرتا رہا تھا اور ایک بار ملاقات کے لیے بھی گیا لیکن شادی کے بعد وہ اپنے والد کو بھول چکا تھا۔ اس کی بیوی عالیہ جو ایک دین دار خاتون تھیں اسے اکثر اس کے والد کے حقوق یاد دلاتی تو وہ اسے جھڑک دیتا لیکن آج اس کے بچے اس کو آئینہ دکھا رہے تھے۔

''آپ سب تیاری کرلیں، ہم کل ہی عید ماننے کے لیے گاؤں جا رہے ہیں۔'' نم آنکھوں سے کہتا ہوا حمزہ نماز کو چل پڑا۔

❁

کچے پکے راستوں پر دوڑتی ہوئی گاڑی گاؤں کی طرف روانہ تھی۔ کچھ ہی دیر میں گاڑی گاؤں کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ گاڑی سے اترتے ہی حمزہ نے چاروں اطراف نظر دوڑائی۔ گاؤں ویسا کا ویسا تھا جیسا وہ چند سال قبل چھوڑ کر گیا تھا اس لیے اسے گھر تک پہنچنے میں زیادہ مشکل پیش نہ آئی۔ دروازے کی گھنٹی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اس لیے گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر وہ ہٹانا ہی بھول گیا۔ چند ثانیے بعد جھٹ سے دروازہ کھلا اور سامنے اپنی بہن کو دیکھ کر وہ فرط جذبات سے لبریز نم آنکھیں لیے آگے بڑھا۔ دعا بھی حمزہ کی اچانک آمد پر جہاں حیران تھی وہیں اس کے بیوی بچوں کو دیکھ کر وہ خوش ہوئی کیونکہ یہ ان سے اس کی پہلی ملاقات تھی۔ ''بھائی...!'' دعا چیخ کر اپنے بھائی سے لپٹ گئی۔ فرط جذبات سے اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جو یقیناً خوشی کے تھے۔

''آپ اور یہاں؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' بہت دیر بعد جب دعا بولنے کے قابل ہوئی تو اس نے کہا۔

حمزہ نے اس کے بازو پر چٹکی بھری تو دعا دوبارہ چیخی۔

''اب یقین آیا یا ایک اور....'' حمزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے بیوی اور بچے خاموش کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

❁

''مجھے یہاں لانے کا سہرا عدیل اور کاشان کے سر ہے کیونکہ وہ یہاں عید منانا چاہتے تھے۔'' شیر خورمہ کھاتے ہوئے حمزہ نے مسکراتے ہوئے اپنے بیٹوں کی طرف اشارہ کیا۔

عید کی نماز سے فارغ ہو کر جب عبدالکریم بابا اور حمزہ گھر آئے تو دعا اور عالیہ خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ گاؤں کا ماحول عالیہ کو بہت پسند آیا تھا اور وہ یہاں کافی گھل مل چکی تھی۔ دعا آگے بڑھ کر اپنے والد اور بھائی کو عید ملی۔ اتنے میں کاشان اور عدیل بھی دروازے سے اندر داخل ہوئے جو اپنے بابا اور دادا کے ساتھ ہی نماز ادا کرنے گئے تھے لیکن قریبی میدان میں بندر کا تماشا دیکھنے رک گئے۔ اتنے میں عالیہ شیر خورمہ لیے کمرے سے نکلیں پھر سب نے مل کر دھوم دھام اور جوش و خروش سے عید منائی اور ہنسی خوشی واپس لوٹ گئے۔

....❁....

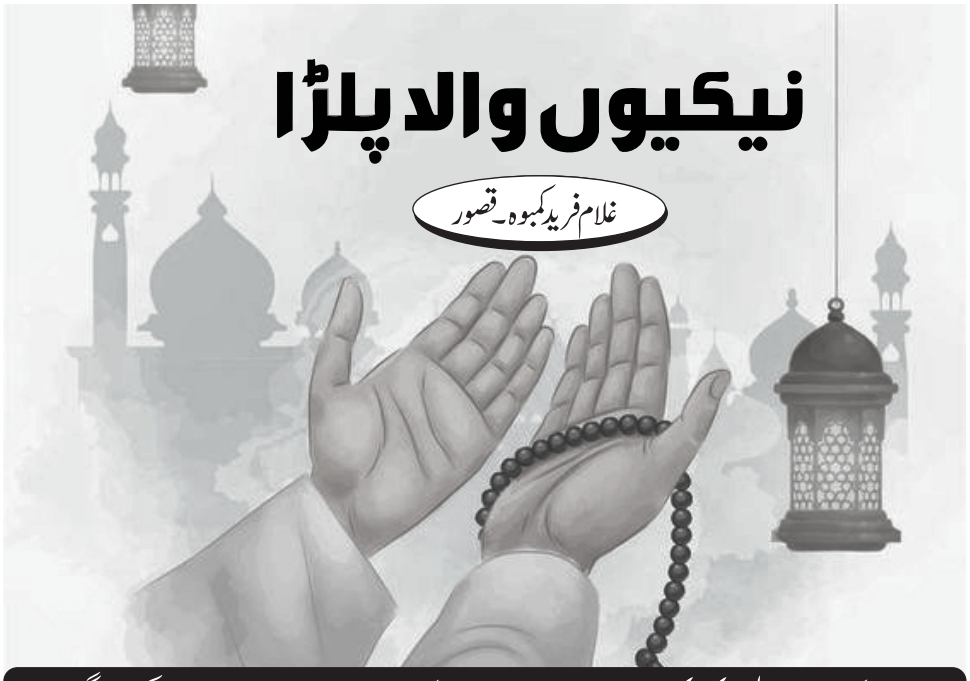

نیکیوں والا پلڑا

غلام فرید کمبوہ۔ قصور

میرے گناہوں کا پلڑا ابھی بھی بھاری تھا۔ میں رو پڑا اور کہا: ''ہائے رے! میری نجات کیسے ہوگی؟''

ابونصر الصیاد نامی ایک شخص اپنی بیوی اور ایک بچے کے ساتھ غربت و افلاس کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ایک دن وہ اپنی بیوی اور بچے کو بھوک سے نڈھال اور روتا بلکتا گھر میں چھوڑ کر خود غموں سے چور کہیں جا رہا تھا کہ راہ چلتے اس کا سامنا ایک عالم دین شیخ احمد بن مسکین سے ہوا، جسے دیکھتے ہی ابونصر نے کہا:

''اے شیخ! میں دکھوں کا مارا ہوں اور غموں سے تھک گیا ہوں۔''

اسے اس حال میں دیکھ کر شیخ احمد بولے:

''میرے پیچھے چلے آؤ! ہم دونوں سمندر پر چلتے ہیں۔''

یہ سن کر ابونصر ان کے ساتھ چل دیا۔

سمندر پر پہنچ کر شیخ صاحب نے ابونصر کو دو رکعت نفل نماز پڑھنے کے لیے کہا۔ ابونصر نے ان کی بات مانتے ہوئے نماز ادا کی۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو شیخ صاحب نے اسے ایک جال دیتے ہوئے کہا:

''اسے بسم اللہ پڑھ کر سمندر میں پھینکو!''

جال میں پہلی بار ہی ایک بڑی ساری عظیم الشان مچھلی پھنس کر باہر آ گئی۔ شیخ صاحب نے ابونصر سے کہا:

''اس مچھلی کو جا کر فروخت کرو اور حاصل ہونے والے پیسوں سے اپنے اہل خانہ کے لیے کچھ کھانے پینے کا سامان خرید لینا۔''

ابونصر نے شہر جا کر مچھلی فروخت کی۔ حاصل ہونے والی

رقم سے اس نے ایک قیمے والا پراٹھا اور ایک میٹھا پراٹھا خریدا اور سیدھا شیخ احمد بن مسکین کے پاس چلا گیا۔

''حضرت ان پراٹھوں میں سے کچھ لینا قبول کیجیے!'' ابو نصر نے شیخ احمد کو پراٹھے پیش کیے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے کہا:

''اگر تم نے اپنے کھانے کے لیے جال پھینکا ہوتا تو کسی مچھلی نے نہیں پھنسنا تھا۔ میں نے تمھارے ساتھ نیکی گویا اپنی بھلائی کے لیے کی تھی نہ کہ کسی اجرت کے لیے۔ تم یہ پراٹھے لے کر جاؤ اور اپنے اہل خانہ کو کھلاؤ!''

ابونصر پراٹھے لیے خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے بھوکی عورت کو روتے ہوئے دیکھا جس کے پاس ہی اس کا بے حال بیٹا بھی بیٹھا تھا۔

ابونصر نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے پراٹھوں کو دیکھا اور دل میں سوچا کہ اس عورت اور اس کے بچے اور اس کے اپنے بچے اور بیوی میں کیا فرق ہے؟ معاملہ تو ایک جیسا ہی ہے۔ وہ بھی بھوکے ہیں اور یہ بھی۔ پراٹھے کن کو دوں؟ وہ عورت اور بچے کے بہتے آنسو نہ دیکھ سکا اور اپنا سر جھکا لیا اور پراٹھے عورت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:

''یہ لو! خود بھی کھاؤ اور اپنے بیٹے کو بھی کھلاؤ۔''

عورت کے چہرے پر خوشی اور اس کے بیٹے کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ابونصر غمگین دل لیے واپس اپنے گھر کی طرف یہ سوچتے ہوئے چل دیا کہ اپنے بھوکے بیوی، بیٹے کا کیسے سامنا کرے گا؟

گھر جاتے ہوئے راستے میں اس نے ایک منادی والا دیکھا جو کہہ رہا تھا:

''ہے کوئی جو اسے ابونصر سے ملا دے؟''

لوگوں نے منادی والے سے کہا:

''یہ دیکھو تو! یہی تو ہے ابونصر!''

منادی کرنے والے نے ابونصر سے کہا:

''تمھارے باپ نے میرے پاس بیس سال پہلے تیس ہزار درہم امانت رکھے تھے، مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ ان پیسوں کا کرنا کیا ہے؟ جب سے تمھارا والد فوت ہوا ہے میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں کہ کوئی میری ملاقات تم سے کروا دے۔ آج میں نے تمھیں پا ہی لیا ہے تو یہ لو تیس ہزار درہم، یہ تمھارے باپ کا مال ہے۔''

ابونصر نے بتایا کہ میں بیٹھے بٹھائے امیر ہو گیا۔ میرے کئی کئی گھر بنے اور میری تجارت پھیلتی چلی گئی۔ میں نے کبھی بھی اللہ کے نام پر دینے میں کنجوسی نہ کی۔ ایک ہی بار میں شکرانے کے طور پر ہزار ہزار درہم صدقہ دے دیا کرتا تھا۔ مجھے اپنے آپ پر رشک آتا تھا کہ کیسے فراخ دلی سے صدقہ خیرات کرنے والا بن گیا ہوں۔ ایک بار میں نے خواب دیکھا کہ حساب کتاب کا دن آن پہنچا ہے اور میدان میں ترازو نصب کر دیا گیا ہے۔ منادی کرنے والے نے آواز دی ابونصر کو لایا جائے اور اس کے گناہ و ثواب تولے جائیں! پھر اک پلڑے میں ایک طرف میری نیکیاں اور دوسری طرف میرے گناہ رکھے گئے تو گناہوں کا پلڑا بھاری تھا۔ میں نے پوچھا آخر کہاں گئے ہیں میرے صدقات جو میں اللہ کی راہ میں دیتا رہا تھا؟

تولنے والوں نے میرے صدقات نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دیے۔ ہر ہزار ہزار درہم کے صدقہ کے نیچے نفس کی شہوت، میری خودنمائی کی خواہش اور ریاکاری کا ملمع چڑھا ہوا تھا جس نے ان صدقات کو روئی سے بھی زیادہ ہلکا بنا دیا تھا۔ میرے گناہوں کا پلڑا ابھی بھی بھاری تھا۔ میں رو پڑا اور

کہا: ''ہائے رے! میری نجات کیسے ہوگی؟''

منادی والے نے میری بات کو سنا تو پھر پوچھا:

''ہے کوئی باقی اس کا عمل تو لے آؤ!''

میں نے سنا ایک فرشتہ کہہ رہا تھا:

''ہاں اس کے دیے ہوئے دو پراٹھے ہیں جو ابھی تک میزان میں نہیں رکھے گئے۔'' وہ دو پراٹھے ترازو پر رکھے گئے تو نیکیوں کا پلڑا اٹھا ضرور مگر ابھی نہ تو برابر تھا اور نہ ہی زیادہ۔

منادی کرنے والے نے پھر پوچھا:

''ہے کچھ اس کا اور کوئی عمل؟''

فرشتے نے جواب دیا:

''ہاں اس کے لیے ابھی کچھ باقی ہے۔''

منادی نے پوچھا وہ کیا:

''اس عورت کے آنسو جسے اس نے اپنے دو پراٹھے دیے تھے۔''

عورت کے آنسو نیکیوں کے پلڑے میں ڈالے گئے جن کے پہاڑ جیسے وزن نے ترازو کے نیکیوں والے پلڑے کو گناہوں کے پلڑے کے برابر لا کر کھڑا کر دیا۔

ابونصر کہتا ہے میرا دل خوش ہوا کہ اب نجات ہو جائے گی۔

منادی نے پھر پوچھا:

''ہے کوئی کچھ اور باقی عمل اس کا؟''

فرشتے نے کہا:

''ہاں! ابھی اس بچے کی مسکراہٹ کو پلڑے میں رکھنا باقی ہے جو پراٹھے لیتے ہوئے اس کے چہرے پر آئی تھی۔

مسکراہٹ کیا پلڑے میں رکھی گئی نیکیوں والا پلڑا بھاری سے بھاری ہوتا چلا گیا۔

منادی کرنے والا بول اُٹھا:

''یہ شخص نجات پا گیا ہے۔''

ابونصر کہتا ہے کہ میری نیند سے آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے آپ سے کہا:

''اے ابونصر! آج تجھے تیرے بڑے بڑے صدقوں نہیں بلکہ آج تجھے تیری دو روٹیوں نے بچا لیا۔''

کسی کی عزت نفس سے نہ کھیلو، دکھاوا کام نہیں آنا۔

کہانی کا مقصد صرف اتنا ہے جو بھی نیک کام کریں، صدق دل سے کریں۔ ہر نیک عمل اللہ کی رضا کے لیے کرنا ہی سب سے اہم ہے۔ دو روٹیاں دے دو لیکن نیک نیت سے۔

....❁....

حسرت

ایان عمران۔ لاہور

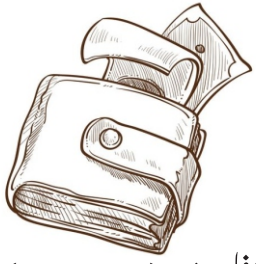

ایک مفلس شاعر (اپنے ملازم سے): شعر مکمل کرو

آئی ہے عید مسرت لیے ہوئے

ملازم: بیٹھے ہیں تنخواہ کی حسرت لیے ہوئے

ماہ شوال

رمشاء خان
میرپور خاص

احادیث میں اس رات کی بہت فضیلت بیان فرمائی گئی ہے اور اس رات جو دعائیں مانگی جاتی ہیں، اللہ پاک انھیں قبول فرمالیتا ہے۔

''چاند نظر آ گیا! چاند نظر آ گیا!''

مومن شور مچاتے ہوئے گھر میں داخل ہوا اور کمرے میں موجود دادی، امی اور بہن زینب فاطمہ کو بتانے لگا۔

''چاند نظر آ گیا ہے۔ کل عید ہوگی سب کو چاند رات مبارک!''

''خیر مبارک مومن! تمھیں پتا ہے یہ کون سے اسلامی مہینے کا چاند نظر آیا ہے؟'' زینب نے پوچھا۔

''ہاں! مجھے معلوم ہے یہ ماہ شوال کا چاند نظر آیا ہے۔'' مومن نے جواب دیا۔

''ماشاء اللہ! مومن! آپ نے صحیح جواب دیا آپ کو پتا ہے اب چاند نظر آ گیا ہے، یہ اب لیلۃ الجائزہ کی شب ہے۔''

''لیلۃ الجائزہ، اچھا دادی جان! ہمیں تو نہیں معلوم اس بارے میں کیا آپ ہمیں اس بارے میں بتائیں گی؟''

''کیوں نہیں! میرے بچو!''

اتنے میں دروازہ بجنے کی آواز آئی تو امی نے کہا:

''بیٹا! آپ لوگ بیٹھ کر دادی کی بات سنیں، میں دیکھتی ہوں اور کل کی تیاری بھی دیکھ لیتی ہوں۔''

امی نے دروازہ کھولا تو سامنے زینب کی سہیلی صدف کھڑی تھی۔

''اچھا ہوا صدف! تم آ گئی، ہم ایک دوسرے کے

مہندی بھی لگاتے ہیں اور دادی جان ہمیں ماہ شوال کے بارے میں بتانے والی ہیں، وہ بھی سنتے ہیں۔'' زینب، صدف کو دیکھ کر چہکی۔

''ہاں! ٹھیک ہے، میں بھی سنوں گی۔'' صدف نے کہا اور زینب کے مہندی لگانے لگی۔ مومن دادی کے برابر میں بیٹھ گیا۔ دادی نے بتانا شروع کیا:

''بچو! شوال المکرّم اسلامی کلینڈر کا دسواں مہینہ ہے۔ تاریخِ اسلام میں اس ماہ کی بہت اہمیت ہے۔ یہ مہینہ اپنے دامن میں ایسی کئی تاریخی یادیں لیے ہوئے ہے، جنھیں رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا۔''

''لیلۃ الجائزہ اس مہینے کی پہلی رات کو انعام کی رات کہا جاتا ہے۔ ماہ رمضان کی عبادت و ریاضت کا انعام اس مبارک رات میں اللہ کی بارگاہ سے دیا جاتا ہے اور اس رات رحمتِ الٰہی جوش میں رہتی ہے۔ بندہ اللہ سے جو مانگتا ہے اللہ پاک عطا فرماتا ہے، احادیث میں اس رات کی بہت فضیلت بیان فرمائی گئی ہے اور اس رات جو دعائیں مانگی جاتی ہیں، اللہ پاک انھیں قبول فرمالیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ راتیں ایسی ہیں جن میں دعائیں رد نہیں ہوتیں:

۱۔ رجب کی پہلی رات
۲۔ شعبان کے ماہ کی درمیانی رات یعنی شب برات
۳۔ جمعۃ المبارک کی رات
۴۔ عیدالفطر کی رات
۵: عیدالاضحیٰ کی رات

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے اس رات کو ہم ایسے ہی گزار دیتے ہیں، اس رات ہمیں صرف عید کی تیاریوں کی فکر رہتی ہے بس۔ اس مہینے کی پہلی تاریخ کو عیدالفطر کا تہوار پوری دنیا میں منایا جاتا ہے۔ لوگ خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اپنے تمام گلے شکوے ختم کر کے ایک دوسرے سے مصافحہ معانقہ کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں نو بار عیدالفطر آئی اور پہلی عید کی نماز حضور ﷺ نے دو ہجری میں ادا فرمائی اور بچو! ماہ شوال میں کئی تاریخی جنگیں بھی ہوئیں جن میں مسلمانوں نے اپنی جان و مال کی قربانی دے کر اسلام کو سربلند کیا اور اللہ کی مدد سے فتح و ظفر کے جھنڈے بھی گاڑھے۔ بچو! بتانے کو تو اور بھی بہت کچھ ہے لیکن اب وقت نکلتا جا رہا ہے تم لوگ جلدی سے اپنی مہندی مکمل کرو اس کے بعد ہمیں عبادت بھی کرنی ہے۔'' دادی نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''شکریہ دادی جان!'' بچوں نے یک زبان ہو کر دادی کا شکریہ ادا کیا۔

'دادی! آپ نے ہمیں ماہ شوال کے بارے میں بتایا، ہمیں شوال کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوا، اسی طرح آپ ہمیں روزانہ کسی نہ کسی واقعہ کے بارے میں بتاتی رہا کریں تاکہ ہم بھی اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔''

''ہاں! صدف بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ چلو صدف! اب میں آپ کے مہندی لگاتی ہوں۔ اس کے بعد ہم بھی دادی کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے سب کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔

....❁....

آہا بچو عید ہے آئی!

امان اللہ نیر شوکت۔ لاہور

دیکھو بچو عید ہے آئی — اپنے ساتھ وہ خوشیاں لائی
رنگ برنگے سوٹ پہن کر — سب بچے نکلے بن ٹھن کر
عید نے کیسی دھوم مچائی — دیکھو بچو عید ہے آئی

سب سے پہلے مسجد جائیں — رب کے آگے سر کو جھکائیں
جس نے ہم پہ رحمت کی — عید کی میٹھی نعمت دی
اپنے ساتھ بہاریں لائی — دیکھو بچو عید ہے آئی

اب خوشیوں کے نغمے گائیں — برفی اور جلیبی کھائیں
وہ نکلا خورشید مبارک — عید مبارک عید مبارک
موسم نے لی ہے انگڑائی — دیکھو بچو عید ہے آئی

گھر سے نکلے آنکھ بچا کر — چپکے سے بازار میں آ کر
ہم نے عیدی خوب اڑائی — دودھ جلیبی برفی کھائی
نیّر نے بھی عید منائی — دیکھو بچو عید ہے آئی

پہلا روزہ

فاطمہ ساجد۔ سرگودھا

اس نے دل میں پکا ارادہ کرلیا تھا کہ وہ اپنا پہلا روزہ اسی انداز میں گزارے گا جیسے اللہ نے حکم دیا ہے۔

''ابو جان! اس سال میں نے بھی روزہ رکھنا ہے۔ پچھلے رمضان میں آپ نے مجھے روزہ رکھنے نہیں دیا لیکن اب میں بھی روزہ رکھوں گا۔'' آٹھ سالہ زین اپنے ابو سے روزہ رکھنے کی ضد لگائے بیٹھا تھا۔

''نہیں بیٹا! آپ ابھی بہت چھوٹے ہو، اگلے سال روزہ رکھ لینا!''

''نہیں ابو جان! میں نے اس سال روزہ رکھنا ہے۔''

''ٹھیک ہے بیٹا! آپ روزہ رکھ لینا۔'' عرفان صاحب کو زین کی ضد کے آگے ہار ماننی پڑی۔

''امی جان! آپ مجھے سحری کے وقت اٹھا دیجیے گا۔'' زین نے اپنی امی سے کہا۔

''زین بیٹا! ادھر بیٹھو میری بات سنو!'' عرفان نے زین کو پاس بلاتے ہوئے کہا۔ زین ان کی گود میں جا کر بیٹھ گیا۔

''یہ بتاؤ! روزہ کسے کہتے ہیں؟ عرفان نے زین سے پوچھا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے کہا:

''اچھا میں آپ کو بتاتا ہوں کہ روزہ کسے کہتے ہیں؟ اس کی کیا اہمیت ہے اور روزہ رکھ کے کن کن باتوں سے بچنا چاہیے؟''

''جی ابو جان! میں ضرور یہ باتیں جاننا چاہوں گا۔ آپ ضرور بتائیں۔ میں سن رہا ہوں۔'' زین خوشی سے بولا۔

''روزے کا معنی ہے رک جانا، یعنی کہ کھانے پینے سے رک جانا۔ اس رک جانے کے اور بھی بہت سے معانی آتے ہیں۔ جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ سے رک جانا، یعنی ہر اس کام سے رک جانا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔''

''اور اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کرنا چاہیے نا!'' زین نے معصومیت بھرے انداز میں پوچھا۔

''ہاں! اللہ کو ناراض نہیں کرنا چاہیے۔ آپ کو پتا ہے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے روزے کی اہمیت پر ایک حدیث بھی بتائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اگر میری امت کو روزوں کے ثواب کا پتا لگ جائے تو وہ ساری زندگی روزے ہی رکھے۔''

''ارے واہ! اتنا زیادہ ثواب؟'' زین نے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! رمضان کے روزوں کی بہت فضیلت ہے۔ آپ بھی اپنا پہلا روزہ اچھی طرح رکھنا اور کسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہیں کرنا اور نہ کسی کا دل دکھانا ہے۔ بڑوں کی عزت کرنی ہے اور اپنے سے چھوٹے بچوں سے محبت سے پیش آنا ہے۔ پانچوں نمازیں ادا کرنی ہیں اور قرآن کی تلاوت بھی کرنی ہے۔ سحری اور افطاری میں جو کھانے کو ملے اللہ کا شکر ادا کر کے کھانا ہے۔ کھانے میں نقص نہیں نکالنا۔ اگر آپ اپنا پہلا روزہ ایسے رکھو گے جیسا اللہ کا حکم ہے تو وہ آپ سے بہت خوش ہوگا۔''

زین یہ سب باتیں بہت غور سے سن رہا تھا اور اس نے دل میں پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اپنا پہلا روزہ اسی انداز میں گزارے گا جیسے اللہ نے حکم دیا ہے۔

''اچھا زین بیٹا! اب آپ سو جاؤ کیوں کہ آپ کو صبح سحری کے وقت جلدی اٹھنا ہے۔'' عرفان صاحب نے کہا تو زین جلدی سے اٹھ کر سونے کے لیے چلا گیا۔

سحری کے وقت زین کو اس کی امی نے اٹھایا تو وہ خوشی خوشی اٹھ گیا اور مزے مزے سے سحری کی۔ کھانے کے بعد وہ ابو کے ساتھ مسجد نماز اور قرآن پڑھنے گیا اور واپس آ کر پھر سے سو گیا۔ اسے آج اسکول سے چھٹی تھی اسی لیے تھوڑی دیر سونے کے بعد وہ پھر اٹھا اور باہر چارپائی پہ لیٹ گیا۔

اس کے دوستوں نے اسے کرکٹ کھیلنے کے لیے بلایا لیکن وہ باہر کھیلنے نہیں گیا کیوں کہ اس کو ابھی سے بھوک لگ رہی تھی اور ابھی تو افطار ہونے میں بہت وقت تھا۔

وہ کبھی عرفان صاحب کے پاس چلا جاتا تو کبھی امی یا دادی کے پاس بیٹھ جاتا۔ اس کا وقت بہت مشکل سے گزر رہا تھا لیکن اس نے پھر بھی صبر کیا ہوا تھا کیوں کہ اس نے اپنی مرضی سے روزہ رکھا تھا اور اب اسے پورا بھی کرنا تھا۔

آج وہ کمرے میں ہی بیٹھا رہا اور کسی سے زیادہ بات نہیں کی کیوں کہ وہ اپنے ابو کی بتائی ہوئی باتوں پہ عمل کر رہا تھا اور اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ کہیں باہر جائے گا تو اس سے کوئی ایسی بات سرزد ہو سکتی ہے جس سے اللہ ناراض ہو اور وہ اپنے اللہ کو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔

اس طرح گھڑی کی سوئیاں چلتی رہیں اور آخر کار افطاری کا وقت ہو گیا۔ زین کی امی نے دسترخوان لگایا تو سب اس پہ بیٹھ گئے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

دسترخوان پر تمام پکوان اس کے پسندیدہ تھے۔ وہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

تھوڑی ہی دیر بعد مسجد میں افطاری کا اعلان ہوا سب نے مل کر افطاری کی۔ افطار کے بعد زین اور ابو نماز پڑھنے چلے گئے۔ باقی گھر والوں نے بھی نماز پڑھی۔ جب زین واپس آیا تو دیکھا اس کے سب خاندان والے گھر میں جمع تھے۔ سب زین کو روزے کی مبارک کے ساتھ اس کو گفٹ بھی دے رہے تھے۔ زین کے سب کزن بھی آئے ہوئے تھے۔ اس لیے رات کو سب نے مل کر آئس کریم کھائی۔ آج زین بہت خوش تھا کیوں کہ آج کا دن اس کے لیے یادگار تھا۔

....❁....

چاند اچھا ساتھی!

صدف جمال۔ انڈیا

چاند میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا ایک رات
کنکھیوں سے دیکھ دیکھ جھاڑیوں سے جھانک جھانک
چاند میرے ساتھ ساتھ وہ دیکھو، آگے چل دیا
ارے! ارے پھسل گیا رکو رکو ٹھہر گیا
لو جھاڑیوں میں چھپ گیا چاند میرے ساتھ ساتھ
کبھی ادھر کبھی ادھر ملا وہیں جدھر نظر
ہائے یہ حسیں سفر کی جب رکی میں رک گیا
چاند میرے ساتھ ساتھ وہ ساتھ ساتھ بھاگتا
وہ ساگروں کو لانگھتا پہاڑیوں کو پھاندتا

وہ بادلوں میں چھپ گیا
چاند میرے ساتھ ساتھ
چل رہا تھا ایک رات

تدوین قرآن مجید

دانیال حسن چغتائی

پیارے بچو! پچھلی کہانی میں ہم نے پڑھا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس قرآن مجید لے کر آئے مگر یہ ہم تک کیسے پہنچا؟ کس نے لکھا؟ کتابی شکل میں کس نے ترتیب دیا؟ ان سب باتوں کو جاننا تدوین قرآن مجید کہلاتا ہے۔

قرآن مجید کی تدوین تین ادوار میں ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کا دور۔ دور صدیقؓ، دور عثمان غنیؓ۔

پیارے بچو یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ پہلی وحی کے بعد قرآن مجید تیئس سال میں بتدریج نازل ہوتا رہا اور جبرائیل علیہ السلام قرآن مجید کی آیات لے کر آتے رہے اور ساتھ ہی وہ نبی کریم ﷺ کو آیات اور سورت کی ترتیب بھی بتا دیتے۔ اور آپ ﷺ کاتبین وحی سے اسے لکھوا دیا کرتے تھے۔

کاتبین وحی سے کیا مراد ہے تو کاتبین وحی سے مراد نبی کریم ﷺ کے وہ اصحاب ہیں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق لکھ لیا کرتے تھے۔ جن کی تعداد بیالیس ہے اور ان میں ابتدائی چاروں خلفائے راشدین بھی شامل ہیں۔

بچو! یہ اس زمانے کی بات ہے جب آج کل کی طرح سہولیات نہیں ہوتی تھیں۔ جیسے کاغذ، قلم وغیرہ نہیں ملتے تھے۔ وہ پتھر، جانور کی ہڈیوں، جانور کی کھال، درختوں کی چھال بڑے پتوں پر یعنی جو کچھ انہیں ملتا اس پر قرآن مجید لکھ لیتے اور محفوظ کر لیتے۔

زیادہ لوگ قرآن مجید کو حفظ کرتے۔ نبی کریم ﷺ

جبرائیل علیہ السلام کی بتائی گئی ترتیب کے مطابق اس کو لکھوا دیتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے سب سے پیارے اور قریبی دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو بہت سے لوگوں نے جھوٹی نبوت کا دعوی کر دیا حالاں کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن آپ ﷺ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ قیامت تک تیس جھوٹے نبی آئیں گے جو نبوت کا دعوی کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کیا۔ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں میں ایک شخص کا نام مسیلمہ بن کذاب تھا۔ اس فتنے کی سرکوبی کے لیے جنگ میں چار سو حفاظ صحابہ کرام شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یہ خیال دامن گیر ہو گیا کہ صحابہ کرام شہید ہوتے جا رہے ہیں اور باقی فوت ہو جائیں گے تو ابھی تو ہمارے پاس قرآن مجید موجود ہے، بعد میں آنے والوں کے لیے قرآن مجید موجود نہیں رہے گا۔

آپؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے کے بعد ایک جماعت بنائی جس کے سربراہ سعید بن ثابتؓ تھے۔ اس جماعت کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ قرآن مجید جہاں جہاں بھی لکھا ہوا ہے اسے ایک جگہ جمع کیا جائے۔ اس جماعت نے بہت ساری محنت کے بعد قرآن مجید اکٹھا کر دیا اگرچہ اکٹھا کرنے میں سورتوں کی ترتیب اب والی نہیں تھی لیکن قرآن مجید مکمل تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کی رحلت کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ بنے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ بنے تو اسلام پوری دنیا میں پھیل چکا تھا۔ مختلف علاقوں کے لوگ اسلام لا چکے تھے جن کی زبان مختلف تھی۔ کوئی لاطینی بولتا تھا تو کوئی فارسی بولتا تھا یعنی ہر ایک اپنے علاقے کی زبان بولتا تھا جبکہ قرآن مجید عربی میں تھا تو ہر کوئی اپنی اپنی سمجھ کے مطابق قرآن مجید پڑھتا تھا۔

حضرت عثمانؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ مشورے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے کا جمع شدہ قرآن مجید منگوایا۔ اس کی کاپیاں بنوائیں اور مملکت کے ہر صوبے میں بھجوا دیں اور آج اسی عثمانی ترتیب کا قرآن مجید ہمارے پاس موجود ہے۔ ابتدا میں قرآن مجید اکٹھا تھا، پارے نہیں بنائے گئے تھے۔ لوگوں نے بعد میں اپنی آسانی کے لیے اسے تیس پاروں میں تقسیم کر دیا یعنی قرآن مجید روزانہ پڑھنا ہوتا ہے تو اسے برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تا کہ ایک ماہ میں قرآن مجید کی تکمیل جا سکے اور اب قرآن مجید تیس پاروں کی صورت میں موجود ہے۔

حضرت عثمانؓ کے بعد عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے اپنے دور میں قرآن مجید پر اعراب یعنی زیر زبر پیش لگوائے تا کہ جو لوگ عربی نہیں سمجھ سکتے وہ بھی اس کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کر سکیں۔

پیارے پیارے ننھے بچو! یہ وہ تمام مراحل تھے جن سے گزر کر قرآن مجید ہم تک پہنچا اور آج ہمارے پاس محفوظ حالت میں موجود ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت ہمیں قرآن کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

....❁....

تحریر: مارک شوزر مترجم: مقبول جہانگیر

قسط نمبر ۳

مرنے کے بعد

مشہور تھا کہ ان کے قبضے میں بدروحیں ہیں، ہمزاد ہیں جن کے ذریعے یہ جس کو چاہیں ہلاک کروا سکتے ہیں۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو میں بالکل تازہ دم تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر حسب معمول مقبرے کی جانب گیا اور دروازے کی مہر کا معائنہ کیا۔ اسے کسی نے نہ چھیڑا تھا، میں مطمئن ہو گیا۔

رات کو پھر جونہی میں بستر پر لیٹا، بڈھا ایمس خواب میں دکھائی دیا۔

اس مرتبہ اس کی حالت پہلے سے بھی ابتر تھی اور چہرہ بڑا بھیانک نظر آ رہا تھا۔ اس نے پھر وہی الفاظ دہرائے جو گزشتہ رات کہے تھے۔ میں پھر ساری رات مضطرب رہا۔

تیسری رات ایمس خواب میں میرے سامنے کھڑا تھا اور وہی الفاظ دہرا رہا تھا۔ اس مرتبہ اس کی نگاہوں سے شعلے برس رہے تھے اور لہجے میں حد درجے کی تلخی اور تحکم تھا۔

آنکھ کھلی تو میں نے اپنا جسم پسینے سے تر پایا۔ ایسی ذہنی اذیت سے مجھے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ میں نے اسی وقت لیمپ ہاتھ میں لیا اور دبے پاؤں چلتا ہوا لائبریری کی طرف گیا۔

اس کا قفل کھولا اور ساتویں الماری کے قریب پہنچا جس کے اوپر سیاہ رنگ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ جب میں نے اس پردے کو چھوا تو میرے جسم میں سنسنی سی پھیل گئی جیسے میں نے کسی گندی شے کو ہاتھ لگا دیا ہو۔

لکڑی کی بنی ہوئی اس الماری کے چار خانے تھے جن میں صدیوں پرانی بوسیدہ کتابیں بھری تھیں۔ اس کے دوسرے خانے کی پہلی کتاب کو اٹھا کر جونہی میں نے پہلا صفحہ الٹا تو میرے ہاتھ کانپ گئے اور کتاب فرش پر گر پڑی۔

کہہ نہیں سکتا کہ مجھ پر کتنی ہیبت اس کتاب کو دیکھ کر طاری ہوئی اور اس کتاب پر کیا منحصر کہ اس خانے میں جتنی کتابیں رکھی تھیں، ان سب کا موضوع ہی ایسا تھا جو دل میں خوف و دہشت کے ساتھ نفرت کے جذبات پیدا کرنے والا تھا یعنی کالا جادو یا علم سفلی ان کتابوں کا موضوع تھا، یہ سب کی سب لاطینی زبان کی قلمی کتابیں تھیں۔

ان میں کہیں کہیں سرخ روشنائی سے مختلف عبارتوں کے نیچے نشان لگائے گئے تھے جن پر بڈھے ایمس کے دستخط اور تاریخ درج تھی۔ میں ان تمام نشان زدہ کتابوں کو اٹھا کر اپنے کمرے میں آیا اور ان کی عبارتیں سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

لاطینی زبان میں نے عرصہ پہلے ایک شخص سے پڑھی تھی، وہ اب کام آئی لیکن جواب اتنے پرانے اور شکستہ تھے کہ انھیں پڑھنا کارے دارد تھا۔

میں صبح تک ان عبارتوں میں سر کھپاتا رہا اور بالآخر ان میں سے ایک پیراگراف کا ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ ترجمہ یوں تھا:

''اس کائنات کی بے کراں وسعتوں میں لاکھوں بدروحیں آسیب اور شیطانی قوتیں کارفرما ہیں جو دن رات کے ہر پہر میں زمین کی طرف یلغار کرتیں اور جس روح کو کمزور دیکھتی ہوں اس پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہیں۔ خصوصاً سورج غروب ہونے کے بعد اور صبح کاذب تک ان روحوں کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے۔ یہ جہاں چاہے جا سکتی ہیں۔ پس ان کو روکنے کے لیے مختلف تدابیر پر عمل کیا جاتا ہے۔ مرنے کے بعد جب کوئی روح جسم سے نکل جاتی ہے تو بدروحیں اسے اپنے ساتھ ملانے کے لیے بے تاب ہوتی ہیں۔ اگر اس وقت مرنے والے کی قبر اور جسم کی حفاظت کی جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔''

اس عبارت کے آگے حاشیے میں ایمس ولڈر نے کہا تھا:

''بیٹا ایمس! جب میں مر جاؤں اور تم میری ہدایت کے مطابق مقبرے میں مجھے دفن کر کے دروازہ سربمہر کر دو تو اس کے برعکس میرے مقبرے کو بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے قبرستان میں اور ایک پرانی کھوپڑی کو پیس کر اس کا سفوف بنا لینا۔ بعد ازاں ایک کم سن بچے کے خون میں یہ سفوف حل کر کے چودھویں رات کو تہہ خانے کے دروازے پر کھوپڑی کی تصویر بنا دینا۔ یہ عمل تین مرتبہ چاند کی ہر چودھویں رات کو کرنا ضروری ہے۔''

جب یہ عبارت میں نے پڑھی تو دہشت سے میرا رواں رواں کانپنے لگا اور میں نے دیوانگی کے عالم میں کتابیں اٹھا کر فرش پر پھینک دیں۔

خدا کی پناہ! اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ منحوس بڈھا مرنے کے بعد مجھ سے ایسے بے ہودہ اور ناپاک کام لینا چاہتا ہے تو میں کبھی اس سے وعدہ نہ کرتا۔

میں دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر رونے لگا اور دیر تک اپنی حالت پر روتا رہا۔

کاش! میں یہاں نہ آتا اور اپنے آپ کو اس عذاب میں مبتلا نہ کرتا۔

ان کتابوں سے ظاہر ہو گیا تھا کہ میرا چچا نہ صرف کالے جادو پر یقین رکھتا تھا بلکہ اس پر عمل پیرا بھی تھا اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنی طویل زندگی میں اس جادو کے زور سے کیا کیا کارنامے انجام دیے ہوں گے؟ اب مرنے کے بعد بھی اسی شغل میں الجھا ہوا ہے۔

اس روز میری بھوک، پیاس سب اڑ گئی۔ بار بار میری نگاہ

اس مقبرے کی طرف جاتی جہاں اس جادوگر کی لاش تابوت میں رکھی تھی۔

ایک بار میرے جی میں آیا کہ دروازے کی مہر توڑ ڈالوں اور لاش کو تابوت سے نکال کر نذرِ آتش کر دوں لیکن ایسا کرنا میرے بس میں نہ تھا۔

گاؤں بھر کے لوگ میرے اس فعل پر نفرین کرتے اور کہتے کہ چچا نے اپنی ساری جائیداد بھتیجے کو بخش دی، یہ اس کا صلہ دیا گیا ہے۔

جیکب اور مسز سیلڈن کا رویہ بھی میرے ساتھ عجیب تھا۔ اول تو وہ میرے قریب ہی نہ پھٹکتے اور جب طوعاً کرہاً آتے تو سہمے سہمے سے رہتے۔

رات کو میں ٹہلنے کے لیے دریا کی طرف نکل گیا۔ شام کا وقت بڑا سہانا تھا۔ پرندوں کی آوازوں سے جنگل گونج رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں آسمان کے مشرقی کنارے سے چودھویں کے چاند نے جھانکا اور اپنی سنہری کرنیں دریا اور جنگل پر بکھیرتا ہوتا آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔

میں دور تک ٹہلتا چلا گیا اور اس معمے کو حل کرنے میں ایسا محو ہوا کہ وقت کا احساس ہی نہ رہا۔ جب میں واپس لوٹا تو چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان کے عین درمیان میں روشن تھا اور ہر شے چاندنی میں نہائی تھی۔

تمام راستے مجھے کوئی آدمی نظر نہ آیا اور میں یہاں کے لوگوں کی بدذوقی اور فطرت کے حسن سے بے نیازی پر دل ہی دل میں کُڑھتا ہوا جب ولڈر ہاؤس کے اجڑے ہوئے باغ میں پہنچا تو ایک ثانیے کے لیے میری نگاہوں کے سامنے کچھ فاصلے پر کسی آدمی کا سایہ زمین پر پڑتا دکھائی دیا۔

میں نے غور سے دیکھا تو یہ سایہ اس جانب بڑھ رہا تھا جہاں ولڈر ہاؤس کے مغربی گوشے میں لائبریری کا کمرا تھا۔

میں ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ بلاشبہ یہ کوئی آدمی تھا جو مکان کے اندر جانا چاہتا تھا۔ چند لمحے بعد وہ جھاڑیوں کے اندر سے نکلا اور کھلی جگہ میں آ گیا۔

اب میں نے اس کا چہرہ دیکھا جو دودھ کی مانند سپید تھا اور اس کے سر کے بال بھی چاندی کے تاروں کی مانند چمک رہے تھے۔ اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا اور سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا تھا۔

مجھ سے اس کا فاصلہ اندازاً تیس گز تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ مکان کی طرف دیکھتا رہا، پھر کچھ سوچ کر آہستہ آہستہ نپے تلے قدموں کے ساتھ مقبرے کی طرف بڑھنے لگا۔

اب میں نے دیکھا کہ وہ لنگڑا کر چلتا ہے اور اس کی کمر بھی جھکی ہوئی ہے۔ میں بھی اس کے تعاقب میں دبے پاؤں چل رہا تھا کیوں کہ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ مقبرے کے پاس جا کر کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

مقبرے کے گرد اونچی گھاس اور جھاڑ جھنکاڑ کثرت سے تھا اور ناممکن تھا کہ کوئی شخص ادھر جائے اور اس کے پیر میں کانٹا نہ چبھے لیکن یہ دیکھ کر مجھ پر خوف طاری ہونے لگا کہ یہ شخص جو ننگے پیر تھا، اس اطمینان اور بے پروائی سے اس جھنکاڑ کے اندر چل رہا تھا جیسے اس کے پیروں تلے مخملیں فرش بچھا ہوا ہو۔

یکا یک بادل کے ایک آوارہ ٹکڑے نے چاندنی کا راستہ روک لیا اور گھپ اندھیرا چھا گیا۔ میں نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور جلدی سے مقبرے کے قریب پہنچ گیا۔ میں چاہتا تھا کہ چپکے سے جا کر اس شخص کو پیچھے سے پکڑ لوں۔

اتنے میں چاند نے پھر بادل میں سے جھانکا اور میں نے دیکھا کہ یہ پُراسرار شخص گھٹنوں کے بل جھکا ہوا مقبرے کے

دروازے کا معائنہ کر رہا ہے۔

غالباً وہ دیکھ رہا تھا کہ اسے کس طرح کھولا جا سکتا ہے۔

اتنے میں مغرب کی جانب سے ایک بہت بڑی چمگادڑ پرواز کرتی ہوئی آئی اور اس کے پروں کا سایہ اس شخص پر پڑا۔ اس نے فوراً گردن اٹھا کر اوپر دیکھا اور مسکرایا۔

اس کے چمکتے ہوئے نکیلے دانت دیکھ کر مجھے بڑی دہشت ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ دروازے کے قریب لیٹ گیا اور اس وقت میری آنکھوں نے جو دہشت ناک منظر دیکھا، وہ میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔

کیا دیکھتا ہوں کہ یہ شخص آہستہ آہستہ سکڑنے لگا۔ پہلے مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ میں چند قدم آگے بڑھا اور میری آہٹ پا کر سکڑتے ہوئے اس شخص نے جو یقیناً کوئی بدروح تھی، میری جانب دیکھا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

خدا جانے اس وقت وہ کون سی طاقت تھی جس نے مجھے اس بدروح سے لپٹ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک ہی جست میں مَیں اس پر جا پڑا۔

اس کا دایاں پنجہ میرے ہاتھ میں آ گیا۔ عین اسی وقت کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی شے دے ماری اور میں اس چوٹ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا۔

غالباً ایک گھنٹے بعد مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو مقبرے کے دروازے کے قریب پڑے پایا۔ میرا دماغ چکرا رہا تھا اور سر کے اس حصے میں جہاں نادیدہ دشمن نے ضرب لگائی تھی، شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

یہ حادثہ ایک خواب کی مانند مجھے یاد تھا اور یقیناً میں اسے خواب ہی سمجھتا، اگر میرے بائیں ہاتھ کی مٹھی میں دبا ہوا وہ انسانی پنجہ نہ ہوتا جو ایمس ولڈر کے مقبرے کا دروازہ کھولنا چاہتا تھا۔

حواس بحال ہونے کے ساتھ ہی مجھے اس پنجے کی موجودگی کا احساس ہوا، بلاشبہ وہ میرے ہاتھ میں تھا۔ لمبی سپید پانچ انگلیوں کا انسانی پنجہ، جس میں ہڈیاں تھیں اور ان پر صرف کھال منڈھی ہوئی تھی۔

چاند ایک مرتبہ پھر بادل کی اوٹ میں چھپ چکا تھا اور میرے چاروں طرف گہری تاریکی مسلط تھی۔ میں پہلے اس پنجے کو کسی پودے سے اکھڑی ہوئی شاخ سمجھا تھا لیکن جب اسے اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا تو دہشت کی ایک نئی لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ پچھلے پہر کی سردی کے باوجود میری پیشانی پسینے سے بھیگ گئی۔

گرتا پڑتا میں اپنے کمرے میں پہنچا۔ ٹیبل لیمپ روشن کیا۔ ایک بار پھر اس پنجے کا معائنہ کیا۔ یہ کسی لاش سے علیحدہ کیا ہوا پنجہ معلوم ہوتا تھا۔

کسی ایسے شخص کی لاش سے جسے مرے ہوئے ایک سال گزر چکا ہو۔ میں نے انتہائی کراہت محسوس کرتے ہوئے اس پنجے کو ایک کونے میں پھینک دیا اور بستر پر لیٹ کر اس واقعے پر ازسرِنو غور کرنے لگا۔

یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ شخص جسے میں نے مقبرے کے قریب کھڑے دیکھا اور جس پر میں نے حملہ کیا، اس دنیا کی مخلوق ہرگز نہ تھی۔

وہ انسانی روپ میں ضرور کوئی بدروح تھی جو ایمس ولڈر کی لاش کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے آئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی میرے دماغ میں آیا کہ چونکہ خود بھی کالے جادو سے کام لیتا تھا، اس لیے اسے معلوم تھا کہ وہ اسے ہلاک کرنے کے درپے ہیں لیکن اس

نے خودکشی کیوں کی؟ اگر خودکشی نہیں کی تو کیا اسے کسی بدروح نے ہلاک کیا ہے؟

سوالات تھے جن کا کوئی جواب میرے ذہن میں نہ آتا تھا۔ فوراً یاد آیا کہ ایمس ولڈر نے ان کاغذات کا ذکر کیا تھا جو اس کی میز کے دراز میں رکھے ہیں۔

شاید ان کاغذات کے مطالعے سے صحیح سراغ مل سکے اور میں ایمس ولڈر کی زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ کر سکوں۔ میں نے اس کام کو صبح نمٹانے کا فیصلہ کر کے اپنے آپ کو نیند کے حوالے کر دیا۔

صبح اٹھتے ہی میں نے سب سے پہلے جیکب کو اپنے کمرے میں بلوایا۔

گزشتہ کئی روز سے میرا اس کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ میرے سائے سے بھی کتراتا تھا۔ وہ آیا تو انتہائی بدحواس اور گھبرایا ہوا تھا۔

میں نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے ایک گلاس پانی پیش کیا۔ وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ایمس ولڈر کے بارے میں براہ راست کچھ پوچھنے کے بجائے میں نے ایک نئے انداز سے اسے کریدنا چاہا۔

میں نے اس سے کہا:

''کل رات ایک پراسرار اجنبی کو میں نے مقبرے کے گرد گھومتے دیکھا ہے۔ اس شخص کا قد بہت لمبا تھا۔ ایمس ولڈر کی طرح گردن سے لے کر ٹخنوں تک سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا۔

سر کے بال بالکل سپید تھے اور ایک عجیب بات یہ تھی کہ وہ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ جب وہ....''

ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ جیکب تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کے چہرے کا رنگ پہلے سرخ ہوا، پھر زرد اور آخر میں دھلے کپڑے کی مانند سپید پڑ گیا۔

آنکھوں کے حلقے ساکن ہو گئے۔ گردن آگے کو ڈھک گئی اور وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ میں نے اسے سنبھالتے ہوئے دل میں کہا:

''یک نہ شد دو شد، یہ بھی اپنے آقا کے ساتھ ہی چل بسا، لیکن نہیں.... چند منٹ بعد جیکب نے آنکھیں کھول دیں۔ میری جانب ڈری ڈری نظروں سے دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا:

''کیا کہا آپ نے؟ رات ایک لنگڑے آدمی کو مقبرے کے پاس دیکھا؟

اس نے سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا؟ خدا رحم کرے۔ اینڈریو بیٹلے واپس آ گیا۔''

''اینڈریو بیٹلے کون ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

جیکب نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جلدی سے اٹھا، کمرے کا دروازہ کھولا اور بے تحاشا دوڑتا ہوا برآمدے میں گیا، سیڑھیاں طے کیں اور مکان سے باہر نکل گیا۔

میں اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد میں نے دوبارہ اسے ساک پیری میں نہیں دیکھا۔ وہ اپنا سامان بھی نہیں لے جا سکا تھا۔

مسز سیلڈن نے اینڈریو کے بارے میں جو کہانی سنائی وہ یہ تھی:

اینڈریو بیٹلے آج سے پانچ سال قبل اس گاؤں میں آ کر آباد ہوا تھا۔ جلد ہی ایمس ولڈر سے اس کے دوستانہ تعلقات استوار ہو گئے۔ گاؤں والے ان دونوں سے بہت ڈرتے تھے کیوں کہ یہ دونوں شخص کالے جادو کے فن میں ماہر تھے۔

مشہور تھا کہ ان کے قبضے میں بدروحیں ہیں، ہمزاد ہیں جن کے ذریعے یہ جس کو چاہیں ہلاک کروا سکتے ہیں۔ ایک سال قبل ان دونوں میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور خاصی تُو تُو مَیں مَیں ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں دیں۔

اس جھگڑے کے چند دن بعد ہی اینڈریو بیٹلے پُراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ پھر کسی نے اسے نہ دیکھا کہ کہاں گیا؟ لوگ دبی زبان سے کہنے لگے کہ ایمس ولڈر نے بیٹلے کو مار ڈالا ہے، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ پولیس کو اس کی اطلاع دیتا۔ گاؤں کے وکیل تھامس بی ویدر کو اینڈریو کے بارے میں کچھ باتیں معلوم ہیں۔ اگر اسے مجبور کیا جائے تو شاید بتا دے، کیونکہ اب ایمس ولڈر بھی اس دنیا میں موجود نہیں۔''

مزید وقت ضائع کیے بغیر میں تھامس ویدر بی کے دفتر پہنچا۔ مجھے بغیر اطلاع اور بے وقت آتے دیکھ کر اس کے سنجیدہ اور پرسکون چہرے پر پریشانی کے گہرے آثار نمودار ہوئے۔

اس نے اپنا کام چھوڑا اور میری طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے سب سے پہلے دروازے اور کھڑکیاں بند کیں اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ آواز باہر نہ جائے، اپنی کرسی وکیل کے نزدیک گھسیٹ لی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آہستہ سے کہا:

''مجھے اینڈریو بیٹلے کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔ کیا آپ کچھ بتا سکیں گے؟''

میں وکیل کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

اس نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا۔ دو منٹ تک وہ قطعی گم سم رہا۔ آخر اس نے زبان کھولی:

''مسٹر ایلس ولڈر! میں جانتا ہوں کہ آپ گزشتہ چند روز سے پراسرار واقعات کے درمیان گھرے ہوئے ہیں۔ آپ نے اچھا کیا کہ میرے پاس چلے آئے۔''

''میں بے شک آپ کے آنجہانی چچا کا قانونی مشیر تھا لیکن آپ برا نہ مانیں تو کہوں کہ میں نے کبھی اس شخص کو پسند نہیں کیا۔ وہ افریقہ سے کالا جادو سیکھ کر آیا تھا اور اسے یہاں کے معصوم اور بے گناہ باشندوں پر آزمانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا اور روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔''

''اسی دوران میں ایک دوسرا جادوگر اینڈریو بیٹلے یہاں آ گیا اور آپ کے چچا نے اسے فوراً دوست بنا لیا لیکن پانچ سال بعد ایک روز اچانک ان کی دوستی منقطع ہو گئی۔ خیال ہے کہ آپ کے آنجہانی چچا نے اسے مار ڈالا اور لاش کہیں غائب کر دی۔ تاہم اینڈریو کی روح نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور جیسا کہ آپ نے گزشتہ رات دیکھا، مقبرے کا دروازہ کھولنے والا وہی اینڈریو یا اس کی روح تھی۔''

''پناہ بخدا!.... آپ کو کیسے پتا چلا؟'' میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

''آپ کا ملازم جیکب تھوڑی دیر پیشتر میرے پاس آیا تھا، وہ سب کہانی سنا گیا ہے۔''

''وکیل صاحب! تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود آپ کالے جادو پر یقین رکھتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

(جاری ہے)

....❁....

مادرِ رحمت

حمیرا علیم۔ کوئٹہ

''مجھے تو بہت سی باتیں پتا ہی نہیں تھیں۔ میں نے تو سوچ لیا ہے۔ اب سارا دورہ قرآن سننے ضرور جاؤں گی!''

خنسہ کے والد فہر ایک کاروباری شخصیت تھے اور اس کی والدہ زویا اپنی این۔ جی۔ او چلا رہی تھیں۔ دونوں ہی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ خنسہ ان کی اکلوتی اور بہت لاڈلی اولاد تھی۔ اس لیے اس کی ہر بات مانی جاتی تھی۔ فہر صاحب کسی کاروباری گھرانے سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ ایک مڈل کلاس فیملی سے تھے۔ گریجویشن کے بعد انھوں نے بجائے جاب کرنے کے اپنے کاروبار کا سوچا اور گھر کے ایک کمرے سے صابن بنانے کا کام شروع کیا جو ترقی کرتے کرتے فیکٹری تک جا پہنچا۔ ان کے باقی بہن، بھائی ان جیسی ترقی تو نہ کر سکے مگر گزارا اچھا ہو رہا تھا۔ کچھ فہر صاحب بھی وقتاً فوقتاً بہن بھائیوں کی بہانے بہانے سے مدد کر دیتے تھے۔ کبھی گروسری کرتے تو بہنوں یمنیٰ اور یسریٰ اور بھائی نحام کے لیے بھی سب کچھ خرید لیتے اور ان کے ہاں جا کر کہتے:

''میں گھر کے لیے کچھ گروسری کرنے نکلا تو سوچا تم کہاں خوار ہوتے پھرو گے اس لیے تمھارے لیے بھی تھوڑی بہت چیزیں لے آیا۔''

وہ تھوڑی بہت چیزیں بھی ان کے دو ماہ کے گزارے لائق ہوتی تھیں۔ کبھی بچوں کو ان کے ٹیسٹ پاس ہونے کی خوشی میں دس پندرہ ہزار تھما دیتے۔

''لو بھئی! میری بیٹی نے تو ٹیسٹ میں اتنے اچھے مارکس لیے ہیں، انعام تو بنتا ہے نا!''

یوں وہ سب کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ کرتے اور مدد بھی

کر دیتے۔ رمضان کی آمد آمد تھی۔ فہر صاحب حسبِ معمول گروسری کر کے بہن بھائیوں کو دینے نکلے تو خنسہ بھی ساتھ ہو گئی۔

''بابا جانی! میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔ چھٹیوں کی وجہ سے کالج تو بند ہیں، میں گھر بیٹھ کر بور ہو گئی ہوں۔ اس لیے نحام چچا کی طرف کچھ دن رہوں گی۔'' اس نے لاڈ سے کہا۔ پہلے کبھی اس کی بات کب ٹالی گئی تھی جواب انکار ہوتا۔

''ہاں ہاں! میرا بچہ ضرور چلے۔ ویسے بھی اذخر اور ہانی پوچھ رہی تھیں آپ کا۔ اچھا ہے سب لوگ اکھٹے روزے رکھنا۔ مجھے اور آپ کی ممی کو کچھ دن کے لیے دوبئ جانا ہے۔ جب واپس آئیں گے تو آپ کو گھر لے آئیں گے۔'' فہر صاحب نے کہا۔ خنسہ نے ممی کو بتایا اور فوراً بیگ پیک کیا اور چل دی۔

اذخر اور ہانی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ چچا، چچی نے بھی اس کی آمد اور قیام کے ارادے پر خوشی کا اظہار کیا۔

''بہت اچھا کیا بھائی! جو آپ ہماری بیٹی کو یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ہم تو کب سے خنسہ کو مس کر رہے تھے۔ اب جب تک آپ واپس نہیں آتے یہ یہیں رہے گی۔'' چچی نے کہا۔ چائے پی کر فہر صاحب تو واپس چلے گئے اور خنسہ، ہانی اور اذخر کے ساتھ کمرے میں چلی گئی۔

''کیا پلان ہے تم دونوں کا رمضان میں؟'' اس نے کزنز سے پوچھا۔

''پتا ہے ساتھ والے گھر میں نئے لوگ آئے ہیں۔ آنٹی نے کچھ کورسز کر رکھے ہیں تو وہ اس رمضان میں دورہ قرآن کروانے کا پلان کر رہی ہیں۔ کل ہی دعوت دینے آئی تھیں تو ہم نے سوچا، چلو! درس پر ہی چلے جایا کریں گے۔ ویسے بھی دس بجے سے بارہ بجے تک کا درس ہو گا۔ رمضان سے دو دن پہلے شروع کریں گی اور ستائیسویں روزے پر ختم ہو جائے گا۔ تم بھی چلنا ہمارے ساتھ۔'' ہانی نے پرجوش لہجے میں اپنا پلان بتایا۔ خنسہ نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کی پھر گپ شپ کرنے لگیں۔

دوسرے دن شام میں وہ تینوں اور چچی ساتھ والی آنٹی کے گھر گئیں۔ جہاں گلی کی کافی ساری خواتین اور بچے جمع تھے۔ آنٹی نے بیٹھنے کے لیے ڈرائنگ روم میں چاندنیاں، صوفے اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ بزرگ خواتین صوفوں پر اور بچے اور لڑکیاں چاندنیوں پر بیٹھ گئے۔ آنٹی سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گئیں اور ٹیبل پر اپنی کتب رکھیں اور السلام علیکم کہہ کر درس شروع کیا:

نحمد ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے دو دن بعد پہلا روزہ ہے اور ہم سب اس جگہ اس لیے اکٹھے ہوئے ہیں کہ رمضان کو بہتر انداز میں اور ویسے گزار سکیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا ہے۔ آیئے! پہلے تو یہ جانتے ہیں کہ رمضان ہے کیا؟ رمضان کا لفظ ''رمدہ'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے ''سورج کی جھلسا دینے والی گرمی'' یہ مہینہ مسلمانوں کے گناہ جلا دیتا ہے اس لیے اسے رمضان کہا جاتا ہے۔

یہ اسلامی کیلنڈر کا نواں مہینہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا جو کہ تمام انسانیت کے لیے ہدایت اور رہنمائی ہے۔ سورہ البقرہ آیت 185 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو شخص رمضان کا مہینہ پائے اسے چاہیے کہ اس ماہ میں روزے رکھے۔''

روزہ اسلام کا چوتھا رکن بھی ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ہمیں اپنی کمزوریوں اور کمیوں کو دور کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہیے اور اس کا بہترین اور آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم ہر کام سنت کے مطابق کریں۔ اس طرح نا صرف ہماری عبادات درست ہوں گی بلکہ دنیاوی معاملات بھی سدھر جائیں گے۔ جیسے کہ ہمسایوں کے حقوق، والدین اور رشتے داروں کے حقوق، اچھائی کا فروغ اور برائی سے روکنا، سلام پھیلانا، دوسروں کو اچھائی کی طرف آمادہ کرنا انہیں برے کاموں سے باز رہنے اور اچھے کاموں کے کرنے میں مدد دینا اور اللہ کے فیصلوں کو بخوشی اور صبر شکر کیساتھ قبول کرنا۔ اپنے چھوٹے بڑے گناہوں کا جائزہ لینا اور ان سے بچنے کی کوشش کرنا: جیسے کہ جھوٹ بولنا، میوزک سننا، اپنے ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، زبان کو اس طرح استعمال کرنا جسے اللہ ناپسند کرے۔ سود، رشوت، لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے غصب کرنا۔

اس کی فرضیت اور فضیلت کے بارے میں تو ہم قرآن پاک میں پڑھ ہی لیں گے۔ آج ہم یہ دیکھیں گے کہ اس مہینے کو گزارنا کیسے ہیں؟ اس میں کون سے اعمال کرنے چاہیے ہیں؟ سب سے پہلے تو اپنی نمازوں کو درست کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھو ویسے ہی نماز ادا کرو۔''

اب یہ کیسے پتا لگے کہ نماز نبوی کیسی تھی؟ تو آسان طریقہ ہے کہ کوئی بھی حدیث کی کتاب پڑھ لیجیے! طریقہ معلوم ہو جائے گا۔ آج کل تو ہمارے لیے اور بھی آسان ہے انٹرنیٹ پر سرچ کریں تو تمام کتب حدیث یعنی صحاح ستہ سامنے آجاتی ہیں۔ وہاں ہم کسی بھی ٹاپک پہ احادیث پڑھ سکتے ہیں۔ میں جو ایپ استعمال کرتی ہوں اس کا نام ہے ''سرچ ٹروتھ'' آپ اسے استعمال کر سکتے ہیں۔

پھر دعا کیجیے اور بکثرت کیجیے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف نماز پڑھ کے ہی دعا کی جاسکتی ہے۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہے دعا کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ جیسے بچے کو جب بھی کوئی چیز چاہیے ہوتی ہے وہ ماں سے مانگ لیتا ہے۔ تکلیف ہو تو دن ہو یا رات کا وقت نہیں دیکھتا بلکہ ماں سے بیان کرتا ہے کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ ماں ہی اس کی ہر ضرورت کو پورا کر سکتی ہے اور تکلیف دور کرنے کی کوشش کرے گی تو ایسے ہی ہمیں جب بھی کچھ چاہیے ہو، کوئی مسئلہ حل کروانا ہو، تکلیف دور کروانی ہو اللہ سے ہی کہنا چاہیے۔ اسی مانگنے، بتانے اور مدد مانگنے کو دعا کہتے ہیں۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں مانگی گئی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ ان میں یہ اوقات شامل ہیں:

1: افطار کے وقت روزے دار کی دعا۔
2: اذان اور اقامت کے درمیان مانگی گئی دعا۔
3: جمعہ کے دن عصر کے بعد کی دعا۔
4: بارش کے وقت کی گئی دعا۔
5: سفر کے دوران کی گئی دعا۔
6: عرفہ کے دن کی دعا۔
7: تہجد کے وقت کی دعا۔

تو ان مواقع پہ خوب دعا کیجیے!

رمضان کے مہینے میں ہی لیلۃ القدر بھی ہے جو کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یعنی اس رات کی عبادت 83 سال اور 4 ماہ کی عبادت کے برابر ہوتی ہے۔ اسی رات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ القدر نازل فرمائی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: ''لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری طاق راتوں میں تلاش کرو۔''

آخری عشرے کی طاق راتوں میں گھر والوں کے ساتھ جاگنے اور قیام اللیل کا اہتمام کیجیے، نوافل پڑھیے، تلاوت قرآن کیجیے، تسبیحات کیجیے، احادیث پڑھیے اور دعا کیجیے!

ہم خواتین عموماً کھانے بنانے اور گھر کے کاموں میں ہی اتنی مصروف ہو جاتی ہیں کہ اس مہینے کا اصل مقصد بھول جاتی ہیں۔ کھانا سادہ بنائیے اور عبادات پر توجہ دیجیے۔ شاپنگ رمضان سے پہلے ہی کر لیجیے تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔ ٹی وی پہ فضول ٹاک شوز یا میوزک سننے کے بجائے ذکر میں مصروف رہیں۔ علماء کے لیکچرز، ویڈیوز دیکھیں یا کتب پڑھیں۔ چاند رات کو بازاروں میں گھوم پھر کر اپنی عبادات کو ضائع نہ کیجیے! اللہ تعالیٰ نے ہم خواتین کو گھروں میں ٹکی رہنے کا حکم دیا ہے اور بازاروں کو ہمارے لیے ناپسندیدہ جگہ قرار دیا ہے۔ پھر چاند رات کا رش اف توبہ!

اس ماہ میں اللہ تعالیٰ جہنم کے دروازے بند کر دیتا ہے اور جنت کے دروازے کھول دیتا ہے اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ اس بارے میں ہمیں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث مختلف کتب احادیث میں ملتی ہیں۔ خصوصاً صحیح بخاری و مسلم میں۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ''افطار کے وقت اللہ تعالیٰ روزے دار کی دعا قبول فرماتا ہے اور لوگوں کو بخش دیتا ہے۔'' استغفار کیجیے! مسلم شریف کی ہی ایک اور حدیث ہے: ''جب تک لوگ کبیرہ گناہ سے بچے رہتے ہیں۔ پانچ وقت کی نمازیں ادا کرتے ہیں رمضان کے روزے رکھتے ہیں تو ان کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

قرآن پاک میں کئی آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ استغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ رزق میں اضافہ فرماتے ہیں۔ دنیاوی آرام عطا فرماتے ہیں۔ عمر طویل کرتے ہیں۔ کاموں میں برکت عطا فرماتے ہیں۔ اولاد اور دنیاوی اسباب عطا فرماتے ہیں تو کیوں نہ ایسا عمل کیا جائے جو اتنے سارے فوائد دے۔ نبی پاک ﷺ جو کہ نبی تھے اور انھیں مغفرت کی ضرورت نہ تھی وہ بھی دن میں ستر بار استغفار فرماتے تھے۔ ہم تو ہیں ہی گناہ گار۔ ہمیں تو بکثرت استغفار کرنی چاہیے۔

رمضان کے روزے رکھنے کے بعد اگر عید کے بعد سے شوال کے مہینے میں کسی بھی دن چھ روزے رکھ لیے جائیں تو پورے سال کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ ذرا تصور کیجیے! صرف چھ روزے اور ثواب پورے سال کے روزوں کا، ان کا اہتمام کیجیے!

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی رمضان کے روزے رکھے تو یہ دس ماہ کے روزے رکھنے کے برابر ہے پھر عید الفطر کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ پورے سال کے روزے رکھنے کے برابر ہے۔''

تہجد پڑھنے کی کوشش کیجیے! سحری بنانے کے لیے بھی تو ہم فجر سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اٹھتے ہیں نا تو کیوں نہ سحری تیار کر کے دو نفل تہجد بھی پڑھ لیے جائیں؟ میں سحری بنا کر جتنے ہو سکے نوافل پڑھ لیتی ہوں اور ان نوافل اور تراویح میں مصحف سے دیکھ کر ہر رکعت میں ایک صفحہ قرآن پاک کی تلاوت بھی کر لیتی ہوں آپ کے لیے ممکن ہو تو ایسا ضرور کیجیے!

تراویح بھی پڑھنے کی کوشش کیجیے! اگرچہ یہ سنت موکدہ نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے صرف تین رات لوگوں کو تراویح

پڑھائی مگر یہ قیام اللیل کے برابر ہے اس لیے ضرور پڑھیں لیکن اگر کسی وجہ سے نہ پڑھ سکیں تو عشاء کی نماز ضرور پڑھیں تراویح نہ پڑھنے کے لیے عشاء مت چھوڑیں۔

البانی کی ایک حدیث ہے: ''جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے جب تک کہ وہ نماز ختم نہ کر لے تو اسے پوری رات قیام کا ثواب ملتا ہے۔''

گھر والوں کے ساتھ کچھ وقت بیٹھ کر قرآن و حدیث پڑھیں۔انھیں ڈسکس کریں۔خصوصاً بچوں کو چھوٹی چھوٹی کہانیاں بنا کر دین سکھائیں۔

یہ بھی مستحب ہے کہ رمضان میں سب گھر والوں کے ساتھ مل کر قرآن پاک کی تلاوت کی جائے۔اسے سمجھا جائے۔جبریل علیہ السلام ہر رمضان میں نبی ﷺ کے ساتھ دوبار دورہ قرآن کرتے تھے۔

دوسروں کو افطار کروانا بھی سنت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو کوئی کسی روزے دار کو افطار کروائے گا اسے بھی روزے دار جیسا ثواب ملے گا۔''(ترمذی، حدیث نمبر 807)

معلّمہ آنٹی کی باتیں سب بہت غور سے سن رہے تھے۔آخر کار درس ختم ہو گیا۔سب کے چہروں پر ایک چمک تھی۔آج سب نے کچھ نہ کچھ نیا سیکھا تھا۔گھر آ کر سب درس کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔

''سچ میں مجھے تو اتنا مزہ آیا لیکچر سن کر۔مجھے تو بہت سی باتیں پتا ہی نہیں تھیں۔میں نے تو سوچ لیا ہے۔اب سارا دورہ قرآن سننے ضرور جاؤں گی!''خنسہ نے جوش و خروش سے کہا تو سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

....❀....

رحمت کا فیضان

محمد ایوب عبدالرحیم۔کراچی

رحمت کا فیضان
آنے لگا ہے پھر رمضان
روزہ نمازیں اور قرآن
سحری ہو یا افطاری
رحمت کا ہے پھر فیضان
اک نیکی، بدلے ستر
بندوں پر ہے یہ احسان
برکت، نعمت کی بارش
ہم پر برسائے رحمان
عصیاں سے بھی ہو دوری
قید ہوا ہے پھر شیطان
ناقدری اس کی نہ کریں
اللہ کا ہے یہ مہمان
ایوب جو کرتا ہے خطا
رب کا ہے وہ نافرمان

فہیم زیدی۔سعودی عرب

کالی اور بالی

''اب تم دونوں تو کیا تمھارے جیسے کسی غریب کو کوئی مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکے گا۔''

''بھائی! میں محسوس کر رہا ہوں کافی خوش خوش نظر آ رہے ہو آج کل تم؟'' کالی نے اپنے بڑے بھائی بالی سے کہا۔

''بات ہی خوشی کی ہے۔برکتوں کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کا مہینہ بھی آنے والا ہے۔''بالی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کھانے پینے کا مہینہ؟....وہ کیسے؟'' کالی نے حیران ہو کر پوچھا۔

''رمضان آنے میں چند دن رہ گئے ہیں۔رمضان میں افطار میں فروٹ کے ساتھ ساتھ مزے مزے کے کھانے بھی تو ملیں گے۔''بالی نے اپنی خوشی کی وجہ بتائی۔

''بھائی! حقیقی زندگی میں آ جاؤ! رمضان میں کھانے پینے گھروں میں بنتے ہیں، ہم بے گھروں کو اگر دو وقت کی روکھی سوکھی بھی میسر آ جائے تو بڑی بات ہے۔'' کالی نے افسردگی سے کہا۔

''یہی تو تم کو نہیں پتا کالی! رمضان ایسا مہینہ ہے جس میں مسلمان زیادہ سے زیادہ صدقہ خیرات کرنے کے ساتھ ساتھ غریبوں کو بھی دل کھول کر کھلاتے پلاتے ہیں۔'' بالی نے ایک بار پھر چہرے پر مسکان سجا کر کہا۔

''کوڑے کے ڈھیر سے کچرا چننے والے میلے کچیلے کپڑوں

میں ہم جیسے بچوں کو دیکھ کر ویسے ہی لوگ دھتکار دیتے ہیں وہ ہمیں کھانے کو کیا دیں گے؟'' کالی نے سمجھایا۔

''رمضان کے مہینے میں لوگ زیادہ نیکیاں کماتے ہیں ان کا رویہ بھی بہت اچھا ہی ہوجاتا ہے۔'' بالی نے کالی کو سمجھایا۔

''بھائی! اس علاقے میں آئے ہمیں زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ پچھلے رمضان میں ہم دوسرے شہر میں تھے، یہاں کے لوگ کیسے ہیں ہمیں ابھی کچھ معلوم نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کا رویہ ہمارے ساتھ اچھا نہ ہو۔'' کالی نے ایک بار پھر خدشہ ظاہر کیا۔

''ہم کون سا کسی کے گھر ہاتھ پھیلانے جارہے ہیں۔ ہم بھکاری تھوڑا ہی ہیں، ہم تو مساجد میں افطار کے وقت جا کر کھائیں گے بس۔'' بالی نے کہا۔

''ہاں بھائی! مسجد میں تو کوئی کسی کو منع بھی نہیں کرتا، ٹھیک کہا تم نے۔'' اب کالی نے خوش ہوکر کہا۔

''اب تو مساجد میں فروٹ کے علاوہ بریانی، سالن، روٹی بھی افطار میں ملتا ہے، سحری میں کھانے کے لیے بھی ہم بچا ہوا لے جاسکتے ہیں۔'' بالی نے ایک دم تجویز پیش کی تو کالی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

❁

تیرہ چودہ سال کے کم عمر کالی اور بالی کے اصل نام کیا تھے، کسی کو نہیں معلوم تھا اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم تھا کہ ان کا تعلق کہاں سے ہے؟ دونوں بھائی سارا سارا دن شہر میں کچرے کے ڈھیر سے قابل استعمال اشیا تلاش کرتے اور اسے کباڑی مارکیٹ میں فروخت کرکے اتنا کما لیتے تھے کہ بمشکل دو وقت کی روٹی پوری ہوجائے اور کچھ پیسے اپنے گاؤں اپنے والدین کو بھی بھیج سکیں۔

رمضان کی آمد آمد تھی شہر بھر کے بازاروں کے ساتھ ساتھ مساجد میں بھی رمضان المبارک کے استقبال کی تیاریاں زور وشور سے جاری تھیں کیوں کہ مسلمان عبادات کے ساتھ ساتھ سحری وافطاری میں کھانوں کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ بمشکل دو وقت کھانا پانے والے دونوں بھائی کالی اور بالی کی خوشی کی وجہ بھی یہی تھی کہ کم از کم ایک ماہ تو انھیں اچھا کھانے کو مل جائے گا۔ ان کی خوشی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ دونوں ہمیشہ رمضان المبارک کے روزے بھی رکھا کرتے تھے۔ ان کو اس دفعہ بھی رمضان کے روزے رکھنے کی سعادت حاصل ہونے والی تھی۔ دونوں بھائی غربت کے باعث کھانے پینے کا اچھا اہتمام نہیں کرسکتے تھے۔ اسی لیے وہ رمضان کی آمد پر مسرور تھے کہ پورا ماہ مساجد میں اچھا کھانے کو مل جائے گا دونوں بھائی اب بڑی بے چینی سے رمضان کا انتظار کرنے لگے۔

❁

آخر کار وہ دن بھی آ ہی گیا جس کا کالی اور بالی بے چینی سے انتظار کررہے تھے۔ آج دونوں رمضان المبارک کا پہلا روزہ رکھنے والے تھے صبح ہی صبح سحری میں وقت سے کافی پہلے اٹھ گئے رات جو کھانا کھایا تھا اس میں سے کچھ سحری کے لیے بچا کر رکھا ہوا تھا۔ اسی کھانے سے بڑے اہتمام سے دونوں بھائیوں نے سحری کی۔ چوں کہ وہ شہر سے متصل کچی آبادی میں رہتے تھے جہاں قریب میں کوئی مسجد نہیں تھی اس لیے فجر کی نماز اپنے ہی جھونپڑی میں ادا کی اور سوگئے تاکہ صبح کام پر جاسکیں۔ صبح آٹھ بجے بیدار ہونے کے بعد دونوں بھائی اپنی بوریاں اٹھائے ایک بار پھر شہر کے کچرے کے ڈھیر سے رزق تلاش کرنے نکل گئے۔

آج گرمی بھی زیادہ تھی۔ صبح گیارہ بجے ہی وہ دونوں قدرے نڈھال ہوگئے مگر انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنا کام جاری رکھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دونوں ستانے کے لیے کہیں سائے میں بیٹھ جاتے تھے۔ عصر کی اذان تک دونوں کی ہمت جواب دے چکی تھی اب ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کچرے کے ڈھیر سے چیزیں تلاش کرتے۔ دونوں بھائی اس علاقے کی مرکزی مسجد کے قریب ہی ایک جگہ ایک کونے میں نسبتاً سنسان جگہ ایک فروش پر جا کر لیٹ کر آرام کرنے لگے اور مغرب کا انتظار کرنے لگے تاکہ اذان سے پہلے مسجد میں داخل ہوں اور افطار کرسکیں۔ دونوں بھائی تھکے ہوئے تو تھے ہی اسی لیے ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ سوگئے۔

مغرب کی اذان سے دس منٹ پہلے اچانک کالی کی آنکھ کھلی اور جب اسے وقت کا احساس ہوا تو اس نے فوراً ہی بالی کو بھی جگایا۔ دونوں نے بھاگتے ہوئے قریبی سڑک پر نصب ہینڈ پمپ سے خوب اچھی طرح ہاتھ منہ دھو کر اپنی حالت قدرے بہتر بنائی اور مسجد کی طرف بڑھ گئے، جیسے ہی دونوں بھائیوں نے مسجد کے مرکزی دروازے کی سیڑھیوں سے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کی ایک دم سے ایک نوجوان نے ان کا راستہ روک لیا اور کہا:

''تم دونوں کون ہو؟ اور گندے کپڑوں میں مسجد میں داخل ہونے کی کوشش کیوں کررہے ہو؟''

''صاحب! ہم روزے دار ہیں، نماز پڑھیں گے مسجد میں۔'' بالی نے جواب دیا۔

''روزے دار؟ حلیے سے تو تم لوگ دہشت گرد معلوم ہوتے ہو، حلیہ دیکھا ہے اپنا؟ دفع ہوجاؤ یہاں سے اور خبردار جو آئندہ مسجد میں گندے کپڑوں کے ساتھ داخل ہونے کی کوشش کی۔'' نوجوان نے دونوں بھائیوں کو دھمکی دی۔

''نہیں صاحب! ہم مسلمان ہیں، کپڑے گندے ضرور ہیں مگر پاک صاف ہیں۔ ہم محنت مزدوری کرتے ہیں دہشت گرد نہیں ہیں ہم۔ ہمارا روزہ بھی ہے، دیکھیں! ہماری زبان کتنی خشک ہورہی ہے۔'' کالی نے اپنی زبان دکھاتے ہوئے نوجوان کو یقین دلایا۔

''دفع ہوتے ہو تم دونوں یا ابھی لگاؤں ایک ایک ہاتھ۔'' نوجوان نے ہاتھ دکھاتے ہوئے کہا تو دونوں بھائی سہم کے مسجد کی سیڑھیوں سے واپس نیچے اتر آئے اور واپس ہینڈ پمپ پر آکر پلاسٹک کی ایک خالی بوتل میں پانی بھرا اور مغرب کی اذان کے ساتھ ہی پانی سے روزہ افطار کیا۔ روزہ افطار کرنے کے بعد بڑا بھائی بالی کافی دلگیر نظر آنے لگا تو کالی نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا:

''کوئی بات نہیں بھائی! دل چھوٹا نہیں کرو! اللہ ہمیں کھلانے والا ہے، چلو مارکیٹ چلتے ہیں! وہاں سے کچھ لے کر کھاتے ہیں، کل سے ہم اپنی افطاری کا انتظام خود کریں گے۔''

''مسجد میں روزہ افطار نہیں کیا، اس کا دکھ نہیں ہے کالی! ہمیں دہشت گرد کہا اس پر دل رو رہا ہے۔'' بالی نے نم آنکھوں سے کہا۔

''چھوڑو بھائی! اپنا دل خراب مت کرو، جس کا جیسا ظرف ہوتا ہے وہ دوسرے کے لیے ویسا ہی سوچتا ہے۔'' کالی نے ایک بار پھر بالی کو سمجھایا۔

''ٹھیک کہہ رہے ہو تم، چلو چلتے ہیں! کچھ کھاتے ہیں پھر اپنی جھونپڑی میں جا کر نماز بھی ادا کرنی ہے۔'' بالی نے مسکراتے ہوئے کہا اور کالی کا ہاتھ پکڑ کر مارکیٹ کی طرف چلا

گیا۔

❀

رمضان المبارک کے پانچ روزے گزر چکے تھے۔ کالی اور بالی ہمیشہ کی طرح صبح ہی صبح اپنے ٹھکانے سے نکل جاتے اور سارا دن کچرے کے ڈھیر سے چیزیں تلاش کرتے۔ عصر کے بعد قریبی مارکیٹ سے اپنی حیثیت کے مطابق دو تین پھل خرید کر وہیں سڑک کے ایک کنارے پر چادر بچھا کر بیٹھ جاتے۔ مغرب ہوتے ہی پلاسٹک کی پلیٹ میں رکھے گنتی کے چند پھلوں سے روزہ افطار کرتے اور وہیں نماز پڑھتے۔ نماز سے فراغت کے بعد کندھے پر بوریاں اٹھائے، جمع کیا ہوا سامان سامنے فروخت کرنے کے لیے کباڑی مارکیٹ نکل جاتے۔

❀

ساتویں رمضان المبارک کو مغرب سے تھوڑا پہلے دونوں بھائی حسبِ معمول سڑک کنارے چادر بچھائے اذان کا انتظار کر رہے تھے ابھی اذان ہونے میں تین چار منٹ باقی تھے کہ دونوں بھائیوں نے دیکھا سڑک پر ایک نوجوان پریشان چہرے کے ساتھ موٹر سائیکل پیدل کھینچتا ہوا مسجد کی طرف بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے شاید اس کی موٹر سائیکل خراب ہوگئی تھی، اسی لیے وہ تیزی کے ساتھ اذان ہونے سے قبل مسجد پہنچنا چاہتا تھا اور مسجد کا فاصلہ اب بھی یہاں سے چھ سات منٹ کا تھا۔ کالی اور بالی اس لڑکے کو فوراً پہچان گئے یہ وہی لڑکا تھا جس نے انھیں پہلے روزے مسجد میں داخل ہونے سے روکا تھا اور انھیں دھتکار کر وہاں سے بھگا دیا تھا۔ دونوں بھائی اس کی پریشانی کو سمجھتے تیزی سے اس کے پیچھے گئے اور اسے آواز دے کر روک کر بالی نے کہا:

’’بھائی! اذان سے پہلے آپ مسجد نہیں پہنچ پائیں گے، ہم دونوں وہاں سامنے روزہ کھولیں گے، آپ ہمارے ساتھ روزہ افطار کر لیجیے اور پھر اطمینان سے مسجد چلے جائیے گا!‘‘

نوجوان نے دونوں کی طرف دیکھا تو اسے بھی انھیں پہچاننے میں دیر نہیں لگی اور اس نے پوچھا:

’’تم دونوں وہی ہونا! جو اس دن مسجد داخل ہو رہے تھے تو میں نے منع کر دیا تھا۔‘‘

’’جی صاحب! ہم دونوں وہی ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ روزہ کھولیں ایک منٹ رہ گیا ہے اذان میں۔‘‘ کالی نے التجائی انداز میں نوجوان سے کہا۔

دونوں کی اس پیش کش پر اب نوجوان کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آنے لگے۔

’’میں نے تم دونوں کو اس دن ڈانٹ کر بھگا دیا تھا اس کے باوجود تم لوگ مجھے اپنے ساتھ روزہ کھلواؤ گے؟‘‘ اس نوجوان نے شرمندگی سے کہا۔

’’اس دن کو چھوڑیں صاحب! جلدی آئیں اذان ہوگئی ہے پہلے روزہ کھول لیں۔‘‘ بالی نے فوراً نوجوان کا ہاتھ پکڑا اور سڑک پر اپنی چادر پر اسے ساتھ بٹھا لیا اور فوراً پلیٹ میں رکھی کھجور اس کے آگے بڑھا دی۔

’’اللہ مجھ سے بہت ناراض ہوگا میں نے تم دونوں کو اللہ کے گھر میں روزہ کھولنے سے روکا اور تم دونوں نے میری پریشانی سمجھتے ہوئے اپنے ساتھ افطار کروایا۔‘‘ نوجوان نے افطار کرتے ہوئے شرمندگی سے سر جھکا کر کہا۔

’’کوئی بات نہیں صاحب! آپ ویسے بھی ہم کو کون سا جانتے تھے؟ آپ نے ٹھیک ہی کیا اس دن، آج کل دہشت گردی بہت ہو رہی ہے، ہر کسی کو محتاط ہونا چاہیے۔‘‘ بالی نے اس کی شرمندگی ختم کرنے کی کوشش کی۔

’’صاحب! اس دن کے بعد سے ہم لوگ روزانہ ہی اپنے پیسوں سے یہاں افطار کرتے ہیں۔ اللہ کا بڑا شکر ہے وہ بہت اچھے انداز میں ہمیں دے رہا ہے۔‘‘ کالی نے مسکرا کہا۔

’’ایک بات اور صاحب! ہم دہشت گرد نہیں، ہمیں دہشت گرد نہیں سمجھو! ہم مجبور ہیں، دور پردیس سے حق حلال کمانے کے لیے ہم دونوں بھائی آپ کے شہر میں آئے ہیں۔‘‘ بالی نے نوجوان کو اس کا جملہ یاد دلایا۔

’’میں اس دن کے اپنے رویے پر تم دونوں سے معافی مانگتا ہوں۔‘‘ نوجوان نے دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

’’ارے ارے صاحب! ایسا نہ کریں، آپ تو ہمیں شرمندہ کر رہے ہیں۔‘‘ کالی نے اس کے جوڑے ہوئے ہاتھوں کو کھول کر کہا۔

’’اب تم دونوں تو کیا تمھارے جیسے کسی غریب کو کوئی مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکے گا۔ چلو! اسی وقت میرے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں اور کل سے تم لوگ مسجد میں ہی افطار کرو گے۔‘‘ نوجوان نے کہا تو کالی اور بالی خوشی خوشی اٹھے اور اس کی موٹر سائیکل کو دھکا لگاتے ہوئے مسجد کی جانب بڑھ گئے۔

....❀....

تتلی پیاری تتلی

شیخ فرید۔ کوئٹہ

پھول پہ بیٹھی تتلی
نازک نازک پتلی
سرسوں جیسی رنگت
اُودی اُودی پیلی
رنگوں سے وہ کھیلے
پھولوں کی ہے سہیلی
سکھیوں کے سنگ آئے
آئے کبھی اکیلی
دوستی اِس سے کر لو
پھیلاؤ ہتھیلی
جب جب آئے فریدؔ وہ
سج جائے حویلی

سیرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہکشاں

محمد فیصل علی۔ سناواں

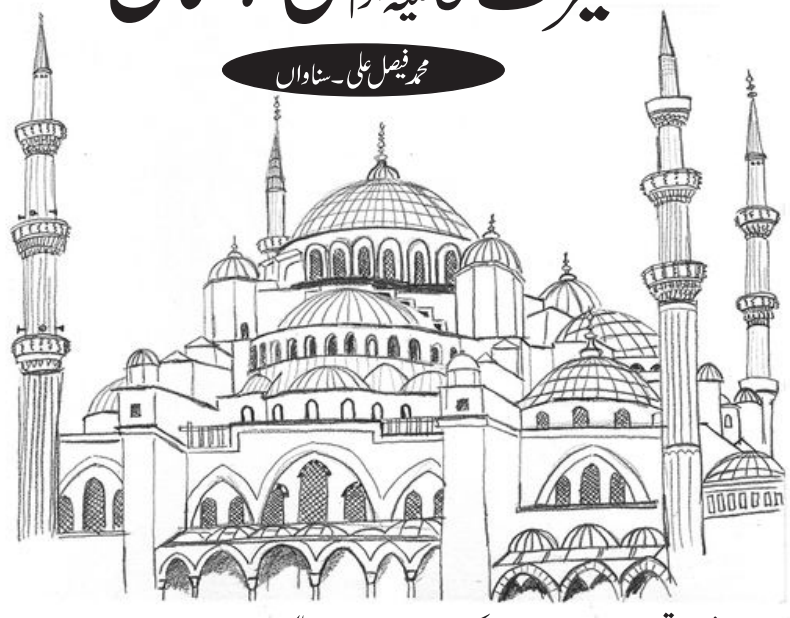

وہ بہت نورانی جگہ تھی۔ چاروں طرف مسحور کن خوشبو اور روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں ایک عجیب سی پرکشش کیفیت تھی۔ اس سفید دودھیا روشنی میں سفید جُبّوں میں ملبوس کچھ اجسام بھی دکھائی دے رہے تھے۔ یقیناً یہ سب بیت المعمور کے خدام تھے۔

''کیا ہم پہنچ گئے؟'' شمسی نے پوچھا۔

''لگتا تو یہی ہے۔'' قمری کے لب ہلے تھے۔

''ہاں بچو! ہم پہنچ گئے۔'' چندا ماموں کی آواز سنائی دی۔ اسی وقت تین نورانی اجسام ان کے سامنے نمودار ہوئے۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!''

علیک سلیک کے بعد ان میں سے ایک بولا:

''بیت المعمور کے محاذات میں خوش آمدید!''

''بہت شکریہ انکل! یہ محاذات کیا ہوتا ہے؟'' قطبی نے پوچھا۔

''محاذات کا معنی ہے برابری، یعنی یہ جگہ عین بیت المعمور اور بیت اللہ کی برابری میں ہے۔ بیت اللہ تو زمین پر ہے جب کہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں ہے۔ بیت اللہ انسانوں کا خانہ کعبہ ہے جب کہ بیت المعمور فرشتوں کا خانہ کعبہ ہے۔ قرآن مجید میں سورہ طور آیت چار میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور قسم ہے بیت المعمور کی۔'' تفسیر

کے مطابق اس بیت المعمور میں ستر ہزار فرشتے روزانہ عبادت کرتے ہیں۔'' نورانی وجود نے انھیں بتایا۔ اس کا لہجہ بہت دھیما اور آواز بڑی سریلی تھی۔ اس کی آواز انھیں دل میں اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''اوہ! اب سمجھے ہم۔'' قطبی نے سر ہلایا۔

اس کے بعد وہ ان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھے اور اس سفید روشنی کے ہالے میں داخل ہو گئے۔ جیسے ہی وہ روشنی کے اندر پہنچے، انھیں ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کے ساتھ ہی ان کے وجود ایک عجیب سے احساس سے سرشار ہوتے چلے گئے۔ یہ ایک خوش گوار سی ٹھنڈک تھی جو رگ و پے میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔

''اسی جگہ ٹھہرے ٹھہرے ذرا نیچے دیکھیں!'' خادم کی آواز سنائی دی۔

اب جو انھوں نے نیچے دیکھا تو وہ حیرت سے اچھل پڑے۔ ان کو زمین پر موجود بیت اللہ شریف صاف نظر آ رہا تھا۔ اس وقت وہاں فجر کی نماز ادا کی جا رہی تھی۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد صفیں بنائے قیام کی حالت میں تھی اور امام صاحب کی پیاری سی آواز میں تلاوت ہو رہی تھی۔

''سبحان اللہ! یہ تو بڑا دل کش نظارہ ہے۔'' انکل پلوٹو کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''انکل! زمین پر جو بیت اللہ ہے، اس کے بارے میں کچھ بتائیں۔''

''بیٹے! یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جسے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ طوفان نوح میں یہ منہدم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا۔ اس کے بعد اس کی تعمیر قریش مکہ نے کی تھی۔ قریش کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے بھی تعمیر کی۔ ان کے بعد حجاج بن یوسف اور سلطان مراد رابع نے مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ بعد میں اہل علم نے بلاضرورت تعمیر کی ممانعت کر دی اور وجہ یہ بتائی کہ اگر ایسی روک نہ لگائی گئی تو ہر آنے والا بادشاہ ایسا کرنا شروع کر دے گا اور تعمیر کعبہ ایک کھیل بن جائے گا۔'' انکل پلوٹو نے انھیں تفصیل بتائی۔

''پلوٹو میاں! تمہارے مطالعہ کے کیا کہنے! ہر چیز سمجھا دیتے ہو اور سن کر مزہ آ جاتا ہے۔'' انکل نیپچون نے ان کی تعریف کی اور وہ مسکرا کر رہ گئے۔ ایسے میں خادم نے انھیں پکارا: ''اس طرف....''

وہ اس طرف بڑھ گئے۔ خادم نے ان سب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جہاں ان کے لیے سفید کپڑے رکھے ہوئے تھے۔

''یہ کیا ہے؟ کیا ہم انھیں پہن لیں؟'' نجمی نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

''جی ہاں! کیا آپ یہاں کی سیر نہیں کریں گے؟'' خادم مسکرایا۔ اور ان تینوں کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکل گئی۔ پھر ان سب نے غسل اور وضو کیا، وہ احرام نما لباس زیب تن کیے اور تیار ہو گئے، پھر وہ سب خادم کی راہنمائی میں آگے بڑھے۔

ایک طرف نیلے موتیوں سے سجا راستہ دکھائی دے رہا تھا۔

''آؤ بھئی! ہم اس طرف چلتے ہیں۔'' نجمی نے اپنی ٹیم سے کہا اور وہ تینوں سر ہلاتے ہوئے اس طرف چل

پڑے۔ چنداماموں، انکل نیپچون اور پلوٹو انکل خادم کے پیچھے پیچھے دوسری طرف چلے گئے۔ چند قدم کے فاصلے پر انھوں نے ایک پتھر دیکھا۔ وہ خلا میں معلق پتھر تھا۔ خادم کہنے لگا:

''یہ پتھر حجر اسود کا دوست ہے۔ یہ حجر اسود کو بہت پسند کرتا ہے۔''

''واہ ماشاء اللہ! ہم بھی اس جنتی پتھر کو بہت چاہتے ہیں۔''

چنداماموں عقیدت مندی سے بولے۔

''اس پتھر کی ایک خوبی اور بھی ہے۔'' خادم یہ کہتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''وہ کیا؟'' انکل پلوٹو نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''یہ پتھر حضور پاک ﷺ کے حج اور عمرے کا مکمل ریکارڈ رکھتا ہے، آپ اسے چھوئیں گے تو آپ پہ حیرت کے پہاڑ ٹوٹیں گے۔''

''ارے باپ رے! حیرت کے پہاڑ اگر بہت بھاری ہوئے تو کیا بنے گا؟''

انکل نیپچون نے خوف زدہ ہونے کی اداکاری کی تھی۔

''یہ خوش گوار ثابت ہوں گے، آپ بے فکر رہیں۔'' خادم ہنسا۔ عین اسی وقت انکل پلوٹو نے اس معلق پتھر کو چھولیا۔ یقینی بات ہے کہ ان سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔ جیسے ہی انھوں نے پتھر کو چھوا، پتھر کا حجم اور سائز بڑھنے لگا۔ پتھر لمحہ بہ لمحہ بڑا ہوتا جارہا تھا، حتیٰ کہ وہ کسی بڑے گیٹ جتنا بڑا ہوگیا۔ اگلے ہی لمحے وہ حیرت سے اچھل پڑے۔ ان کے سامنے پتھر کے درمیان سے ایک دروازہ نمودار ہو چکا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور ان کے سامنے پھولوں کی روش سے سجا راستہ تھا۔ اس دروازے کے اوپر لکھا ہوا تھا:

''حضور ﷺ کے حج اور عمرے۔''

''ناقابل یقین!''

چنداماموں کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

''آگے بڑھیں، ابھی مقامِ حیرت وتعجب اور بھی ہیں۔''

خادم نے مسکراتے ہوئے شاعرانہ انداز میں کہا اور وہ آگے بڑھ گئے۔ خوشبو کے تیز جھونکوں نے ان سب کا بھرپور استقبال کیا۔ وہ اس گیلری نما راستے سے گزرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ آگے جا کر یہ راستہ ایک بڑے سے باغ میں ختم ہوا۔ اب ایک سرسبز لہلہاتا، خوشبو سے مہکتا، پرندوں سے چہکتا اور میووں سے لدا پھندا باغ ان کے سامنے تھا۔

''اللہ کی قدرت!'' انکل نیپچون کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''بے شک! وہ اس سے بھی اعلیٰ باغ پیدا کرسکتا ہے۔'' انکل پلوٹو نے کہا۔

''یہاں پر ہمیں حج اور عمرہ کے بارے میں معلومات کہاں سے ملیں گی؟'' چنداماموں نے پوچھا۔

''ہر چیز سے۔'' خادم مسکرایا۔

''کیا مطلب؟'' ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''مطلب واضح ہے۔ آپ کسی پھول کو سونگھیں گے، کسی پھل کو کھائیں گے، کسی پیڑ کو ہاتھ لگائیں گے، وہ آپ کو نبی پاک ﷺ کے حج اور عمرہ کے بارے میں بتائے گا۔ آپ نے بس زبان سے کوئی ایک لفظ ادا کرنا ہے، حج یا عمرہ، یہ باغ آپ کو ساری تفصیل بتادے گا۔''

خادم نے کہا تو ان کی حیرت آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ انکل پلوٹو نے پہل کی اور ایک پھول سونگھتے ہوئے لفظ عمرہ کہہ دیا۔ فوراً ہی ایک کھنکھناتی ہوئی آواز ان کے کانوں

سے ٹکرائی:

''پیارے نبی ﷺ نے اپنی زندگی مبارک میں چار عمرے کیے ہیں جیسا کہ بخاری شریف حدیث نمبر ۴۱۴۸ میں ہے: ''حضرت انسؓ کہتے ہیں، آپ ﷺ نے چار عمرے کیے۔ تمام عمرے ذیقعدہ کے ماہ میں کیے، سوائے ایک عمرے کے جو آپ ﷺ نے حج کے ساتھ ادا کیا تھا۔'' اسی طرح مسند احمد حدیث نمبر ۴۱۱۲ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں: ''آپ ﷺ نے چار عمرے فرمائے۔ ایک عمرہ حدیبیہ، دوسرا عمرہ قضاء، تیسرا عمرہ جعرانہ جو غزوہ حنین کے بعد کیا، چوتھا حج کے ساتھ۔''

یہاں تک بتا کر وہ آواز خاموش ہوگئی۔ وہ سب حیرت سے یہ سب سنتے جارہے تھے۔ جیسے ہی یہ آواز ختم ہوئی، انکل نیپچون نے ایک لال سیب توڑا اور اسے کھاتے ہوئے بولے:

''حج!''

فوراً ہی حج کی تفصیل ان کے کانوں میں گونجنے لگی:

''پیارے نبی ﷺ نے تین حج ادا کیے۔ دو حج ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد۔ ترمذی شریف میں حدیث نمبر ۸۱۵ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ نے تین حج فرمائے، دو حج ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد، ہجرت کے بعد والے حج کے ساتھ آپ ﷺ نے عمرہ بھی کیا تھا، اس موقع پر آپ ﷺ اپنے ساتھ تریسٹھ اونٹ بطور قربانی کی ہدی کے لے گئے تھے اور انھیں قربان کیا۔ (گویا اپنی عمر مبارک کے ہر سال کے بدلے ایک اونٹ) اور حضرت علیؓ سینتیس اونٹ یمن سے لے آئے تھے، سینتیس اونٹوں کو انھوں نے قربان کیا تھا، پھر جب ان کا سالن بنایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کا شوربہ نوش فرمایا تھا۔''

یہاں تک کہہ کر وہ آواز تھم گئی۔ اب خادم انھیں بتانے لگا:

''دیکھا آپ نے، ہے نا یہ حیرت انگیز!''

''بالکل! حیرت انگیز ہے۔'' وہ بولے اور پھر باغ کی سیر کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ واپس روانہ ہوئے اور اسی دروازے سے باہر نکل آئے۔ خادم نے اس دروازے کو چھوا تو وہ پھر سے چھوٹا پتھر بن گیا۔

❁

قطبی، نجمی اور شمسی موتیوں سے سجے راستے سے گزرتے چلے جارہے تھے۔ ان کے چہرے خوشی سے کھلے ہوئے تھے۔

''بہت خوب صورت جگہ ہے ساتھیو!''

نجمی نے اردگرد کا نظارہ کیا۔

''واقعی! ارے وہ کیا ہے؟'' اچانک شمسی چونکا۔ اس کی نظریں ایک خاص سمت میں جمی تھیں۔ انھوں نے بھی ادھر دیکھا اور پھر ان کے چہروں پر بھی جوش نظر آنے لگا۔ ان سے کچھ قدم دور فضا میں ایک سنہری چابی معلق تھی۔ وہ فوراً ادھر لپکے۔

''میں اسے ہاتھ لگاؤں؟'' قطبی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں! کیوں نہیں۔'' نجمی نے اس کی ہمت بندھائی۔ اس نے چابی کو ہاتھ لگایا اور پھر اسے مٹھی میں پکڑ لیا۔ اگلا لمحہ ان تینوں پہ بھاری پڑا۔ وہ تینوں حیرت کی شدت سے اچھلے تھے، ساتھ ہی قطبی کے ہاتھوں سے وہ چابی چھوٹ گئی۔

(جاری ہے)

....❁....

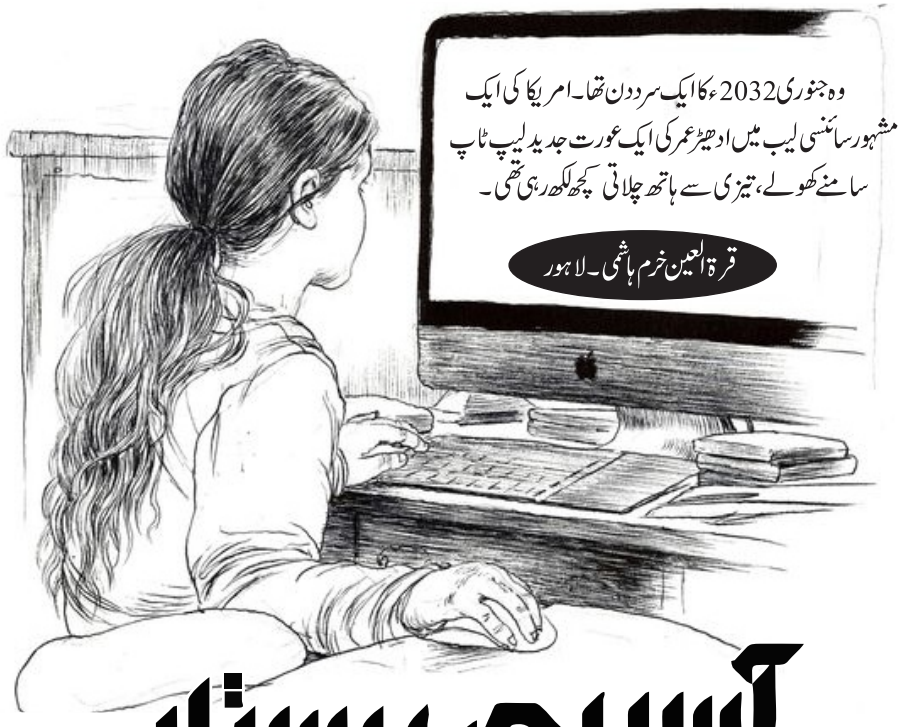

وہ جنوری 2032ء کا ایک سرد دن تھا۔ امریکا کی ایک مشہور سائنسی لیب میں ادھیڑ عمر کی ایک عورت جدید لیپ ٹاپ سامنے کھولے، تیزی سے ہاتھ چلاتی کچھ لکھ رہی تھی۔

قرۃ العین خرم ہاشمی۔ لاہور

آسیبی پرستار

آخری قسط

گزشتہ اقساط کا خلاصہ:

واٹسن جیک اپنے دور کا مشہور ہارر رائٹر ہے۔ جس کے ناولز کی دھوم انسانی دنیا کے علاوہ غیر انسانی دنیا میں بھی ہے۔ زیگ ایک بھوت ہے جو اپنی ماں کے منع کرنے کے باوجود بھی واٹسن جیک کے ناولز پڑھتا ہے۔ ہنری ایک سائنس دان ہے جسے اپنے بیٹے ایڈم اور بیوی لوئیسا کی فکر تھی جن کا دشمن اس کا بہترین دوست مائیکل تھا۔ جو ہنری کی بنائی ہوئی ٹائم ٹریول گھڑی حاصل کر کے وقت میں سفر کرنا چاہتا ہے۔ بھوتوں کے قبیلے کا سردار گرف واٹسن جیک کو اغواء کروا کے بھوتوں کی دنیا میں لانے کا حکم دیتا ہے۔ اسی رات ہنری، مائیکل سے جان بچا کر سائنسی گھڑی کا غلط استعمال کرتے ہوئے غلط وقت میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں واٹسن جیک کو اغواء کرنے چند بھوت آئے تو ہنری، واٹسن جیک کو لے کر غائب ہو جاتا ہے۔ سائنسی گھڑی میں خرابی کی وجہ سے وہ دونوں مختلف وقت میں بھٹکنے لگتے ہیں۔ واٹسن جیک، ہنری سے شدید خفا رہتا ہے۔ زیگ اپنی بہن رینا کے ساتھ ایک قریبی قصبے میں واٹسن جیک کے ناول خریدنے جاتا ہے جہاں اتفاقیہ طور پر اس کی

ملاقات، اپنا ہی ناول خریدتے واٹسن جیک سے ہو جاتی ہے۔ سردار گرف کے دونوں بیٹے پیکل اور ٹیکل، ایک خوفناک بھوت ڈریگن کے ساتھ ان دونوں پر انسانی بستی کے پاس ہی حملہ کرتے ہیں مگر ٹام ان کی مدد کرنے آ جاتا ہے۔ ڈریگن کی طاقت کے سامنے وہ کمزور پڑتے ہیں تو اچانک ڈیل اور مس سلیٹی وہاں پہنچ کر انھیں بچا لیتے ہیں۔ مس سلیٹی کو سردار گرف آگ کی جیل میں بند کر دیتا ہے جس کی وجہ سے زیگ اور رینا ہنری سے مدد لیتے ہیں۔ واٹسن جیک ہنری کو بھوتوں کے ساتھ دیکھ کر اس کی نیت پر شک کرنے لگتا ہے۔ ہنری، واٹسن جیک کو سچ بتاتا ہے۔ سردار گرف، چالاکی سے جیمز سے جھوٹ بول کر زیگ اور رینا کو واپس بلاتا ہے تب ہی رینا اور زیگ کو یہ سچ پتا چلتا ہے کہ ہنری کے ساتھ رہنے والا شخص مشہور مصنف واٹسن جیک ہے۔ سردار گرف زیگ اور رینا کے ساتھ واٹسن جیک کو بھی قید کر لیتا ہے۔ جو بھوتوں کی بستی میں جا کر بہت حیران ہوتا ہے۔ ہنری، مس سلیٹی اسے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اب آگے پڑھیں۔

❁

''ڈرومت! ہم ہیں۔'' اچانک ٹام، جیمز، ریٹا اور ہنری نمودار ہوئے تو وہ تینوں چونک گئے۔

''مام، ڈیڈ، ٹام۔'' زیگ اور رینا خوشی سے بھاگ کر ان سے لپٹ گئے۔

''ہنری! میرے بھائی، میرے دوست۔'' واٹسن جیک پرجوش انداز میں کہتا ہوا ہنری کے گلے لگ گیا۔ ہنری ہکا بکا دیکھتا رہ گیا۔

''مجھے معاف کر دو۔ میں نے ہمیشہ تمھارا دل دکھایا۔'' واٹسن جیک نے کہا تو ہنری مسکرا دیا۔

''یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ ہمیں یہاں سے جانا ہوگا۔ اب ہم اس قبیلے میں نہیں رہ سکتے ہیں۔ ہمیں در بدر بھٹکنا ہوگا کہ کہیں سردار گرف ہمیں گرفتار نہ کر لے۔''

جیمز نے گہری سانس لے کر کہا۔

''آپ لوگ اپنے قبیلے سے جدا ہو کر کہاں بھٹکیں گے؟''

اس سے بہتر ایک اور حل ہے۔'' ہنری نے مسکرا کر کہا۔

''وہ کیا؟'' جیمز نے حیرانی سے سوال کیا۔

''آپ سردار گرف کو شکست دے کر اس کی جگہ لے لیں۔ پھر آپ کو کوئی یہاں سے نہیں نکال سکے گا۔'' ہنری نے مطمئن انداز میں کہا۔

''یہ آسان نہیں ہوگا۔'' جیمز نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ہاں! بہت مشکل کام ہے مگر ہماری دوستی اور تعاون اس مشکل کو آسانی میں بدل دے گا۔'' واٹسن جیک نے مسکرا کر کہا۔

''یعنی بھوت اور انسان کی دوستی؟'' زیگ نے سوال کیا تو واٹسن اور جیک نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کرنا کیا ہے؟'' جیمز نے جلدی سے سوال کیا۔

''زیگ اور رینا سردار گرف کو مقابلے کا چیلنج دیں گے۔ سردار گرف کی ہار کے صورت میں بازی آپ کے ہاتھ میں ہو گی۔'' ہنری نے کہا۔

''مگر یہ آسان نہیں۔'' جیمز نے نفی میں سر ہلایا۔

''کوشش تو کر سکتے ہیں۔ سردار گرف سے بہت سے بھوت تنگ ہیں۔ کسی کو تو قدم اٹھانا پڑے گا۔'' ریٹا نے جلدی سے کہا تو جیمز نے پرسوچ انداز میں سر ہلا دیا۔

''چلو پھر کھیل شروع کرتے ہیں۔''

جیمز نے مسکرا کر رینا اور زیگ کی طرف دیکھا۔ دونوں نے سر ہلایا اور پھر اپنے اپنے لاکٹ کو ہاتھ میں پکڑ کر جیل کی دیواروں پر ایک ساتھ روشنی ڈالنے لگے۔ یہ روشنی اس بات کی نشانی تھی کہ قیدی سردار گرف کو مقابلے کی دعوت دے رہے ہیں۔ جیمز، ہنری، ریٹا اور ٹام فوراً غائب ہو گئے تھے۔ رینا اور زیگ کی روشنی نے بھوتوں کی بستی میں طوفان برپا کر دیا تھا۔ ہر طرف ایک ہی شور تھا۔

''دو بچے، سردار گرف کو مقابلے کی دعوت دے رہے ہیں۔ سردار گرف کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔'' یہ باتیں سن کر سردار گرف غصے سے پاگل ہو گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ زیگ اور رینا ایسی چال چلیں گے۔ ان دونوں کو قید کر کے وہ مطمئن تھا کہ اپنی راہ کا کانٹا نکال دیا ہے مگر ان دونوں کے چیلنج نے سردار گرف کو بوکھلا دیا تھا۔ اپنے وزیروں سے مشورے کے بعد، سردار گرف نے تین دن بعد سب بھوتوں کو بڑے میدان میں جمع ہونے کا حکم دے دیا۔ وہ مقابلے کے لیے تیار تھا۔

''یہ اچھا موقع ہے بستی کے تمام بھوتوں پر دہشت بٹھانے کا۔ ان دونوں بچوں کو عبرت ناک سزائیں دوں گا تاکہ دوبارہ کوئی میرے سامنے کھڑا ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔'' سردار گرف نے غصے سے سوچا تھا۔

❁

''سردار! سب بھوت آپ پر ہنس رہے ہیں کہ دو بچوں نے طاقت ور سردار کو مقابلے کی دعوت دی ہے۔''

سردار گرف تیار ہو کر ہال میں آیا تو اس کے ایک وزیر نے جلدی سے کہا۔ سردار گرف نے اسے گھورا تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

''آج کے بعد کسی کی ہمت نہیں ہو گی سردار گرف کو چیلنج کرنے کی۔ ان دونوں بچوں کا انجام دردناک اور خوفناک ہونا چاہیے۔ جسے سب بھوت مدتوں یاد رکھیں۔''

سردار گرف نے غصے سے کہا۔

''ایسا ہی ہو گا۔ ہم تیار ہیں۔''

ایک وزیر نے چالاکی سے کہا۔ سردار گرف کے چاروں وزیر اس کا ساتھ دینے کے لیے نظر نہ آنے والے لباس میں ملبوس میدان میں موجود ہونے تھے تاکہ وہ سردار گرف کی مقابلے میں مدد کر سکیں۔ سردار گرف نے اثبات میں سر ہلایا۔

کچھ لمحوں کے بعد، وہ بڑے میدان میں بنے اسٹیج پر موجود تھا۔ میدان کے چاروں طرف بھوت، آسیب، چڑیلیں اور بد روحیں موجود تھیں۔ عجیب و غریب قسم کے بھوت وہاں موجود تھے، جن کی شکلیں اور حلیے انتہا کے خوفناک تھے مگر وہ سب پر اشتیاق نگاہوں سے زمین سے کچھ اوپر ہوا میں معلق بڑے سے لوہے کے پنجرے کو دیکھ رہے تھے جس میں واٹسن جیک موجود تھا۔ واٹسن جیک کے چہرے پر بے زاری تھی کیوں کہ سب بھوت اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

''مجھے ڈراؤنی کہانیاں لکھتے ہوئے کبھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ میں کتنا خوف ناک لکھتا ہوں۔''

واٹسن جیک نے عجیب و غریب شکلوں اور حلیوں والے بھوتوں کو دیکھ کر سوچا جو اس کے پرستار تھے کیوں کہ وہ خوف ناک لکھنے میں اتنا ماہر تھا کہ وہ بھی اس کے لکھے سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

''سر! مجھے آپ کا آٹوگراف چاہیے۔''

ایک لمبے قد والے بھوت کا ہاتھ ہوا میں اڑتا جیسے ہی

واٹسن جیک کے پاس آیا، سپاہی بھوت نے فوراً بڑی کلہاڑی سے ہاتھ کاٹ دیا۔ بھوت کا ہاتھ تڑپتا ہوا واپس چلا گیا۔ واٹسن جیک یہ دیکھ کر ڈر گیا مگر خاموش کھڑا رہا۔

''خبردار! اگر کوئی بھی آگے آیا تو اسے کاٹ کر رکھ دیں گے۔'' سپاہی بھوتوں نے چیخ کر اعلان کیا تھا۔ سب بھوت ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔

''مقابلہ شروع کیا جائے۔'' سردار گرف نے گونج دار آواز میں اعلان کیا تو اچانک سپاہی بھوت زیگ کو وہاں لے آئے۔ اسے اکیلے آتا دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔

''لگتا ہے کہ بچی مقابلے سے ڈر گئی ہے۔'' سردار گرف نے طنزیہ انداز میں کہا۔ زیگ کا سر جھکا ہوا تھا جبکہ کچھ دور کھڑے جیمز، ریٹا حیران تھے۔

''میرے بچے...!'' کچھ دور کھڑی ریٹا نے کہا تو جیمز نے اسے تسلی دی۔ ٹام وہاں نہیں تھا۔ ریٹا اور جیمز فکرمندی سے سامنے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''ابھی بھی وقت ہے تم بھی معافی مانگ کر اپنی جان بچا لو۔'' سردار گرف نے سخت لہجے میں کہا۔ زیگ نے سر اٹھا کر سردار گرف کی طرف دیکھا جو اس کی بے بسی پر مسکرا رہا تھا۔

❁

''یہ کیا ہو رہا ہے؟ رینا کہاں ہے؟''

میدان سے دور سب سے اوپر والی عمارت پر کھڑے، ہنری نے حیرانی سے زیگ کو دیکھا۔ مس سلیٹی بھی حیران تھیں جبکہ ڈیل کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔

''ضرور یہ سردار گرف کی چال ہے۔ زیگ کو ہرانے کی۔ رینا کو مشکل میں دیکھ کر زیگ کبھی سردار گرف پر حملہ نہیں کرے گا اور ہار جائے گا۔'' مس سلیٹی نے سوچتے ہوئے کہا۔

''پھر اب کیا کریں؟ رینا کا یہاں آنا بہت ضروری ہے۔'' ہنری نے جلدی سے کہا۔

''میں کچھ کرتا ہوں۔'' ڈیل نے جلدی سے کہا اور اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالنے لگا۔ پھر اسے ایک چھوٹی چڑیا ملی۔ جس کے پر رنگین تھے مگر باقی جسم کالا تھا۔

''واہ ڈیل! تم میرے سب سے سمجھدار اور قابل شاگرد ہو۔'' مس سلیٹی نے خوش ہو کر کہا۔ ڈیل مسکرایا۔

''رینا کو ڈھونڈو...!'' ڈیل نے چڑیا کے کان میں کہا اور اسے فضا میں چھوڑ دیا۔ چڑیا تیزی سے اڑی تو اس کے پیچھے مس سلیٹی بھی اڑنے لگیں۔ دونوں اچانک غائب ہو گئیں۔

''کالی چڑیا جاسوس ہے۔ جو اپنے رنگ برنگے جادوئی پروں کی مدد سے کہیں بھی جا سکتی ہے۔ اس لیے کالی چڑیا کو گمشدہ چیزیں ڈھونڈنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔'' ڈیل نے تفصیل سے سمجھایا تو ہنری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بے چینی سے مس سلیٹی کے کامیاب لوٹنے کا منتظر تھا۔ اس کی نگاہیں پریشان چہرے والے زیگ پر جمی ہوئی تھیں۔

❁

''زیگ معافی مانگنے میں اتنی دیر! لگتا ہے کہ تم شکست کھائے بغیر نہیں مانو گے۔''

سردار گرف نے خاموش کھڑے زیگ کی طرف دیکھا اور غصے سے آگے بڑھا۔ اچانک رینا نمودار ہوئی اور بھاگتے ہوئے زیگ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

''کس بات کی؟ آپ ایک ظالم اور سخت دل سردار ہیں جس کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ ہمیشہ سے برا رہا ہے۔''

رینا نے منہ بنا کر کہا۔ بہت سے بھوتوں نے ہاں میں سر ہلایا مگر ڈر کر فوراً رک گئے۔ رینا کے ساتھ مس سلیٹی کو دیکھ کر

سردار گرف ساری بات سمجھ گیا۔ سردار گرف کے حکم پر رینا کو پیتل کے چوکور صندوق میں چھپا دیا گیا تھا مگر کالی چڑیا کی مدد سے مس سلیٹی نے اسے وہاں سے نکال لیا اور واپس میدان میں لے آئی تھی۔ مس سلیٹی مسکراتے ہوئے ہجوم کی طرف بڑھ گئیں۔ ڈیل بھی مس سلیٹی کے پاس پہنچ گیا۔ زیگ خوشی سے رینا کو دیکھ کر فوراً سردار گرف کی طرف متوجہ ہوا۔ جو غصے سے بھرا انھیں دیکھ رہا تھا۔

''میں تم دونوں کو چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔'' سردار گرف نے غصے سے کہا۔

زیگ اور رینا کو میدان میں دیکھ کر بہت سے بھوتوں نے تالیاں بجائیں مگر جب سردار گرف میدان میں اترا تو کسی نے ہاتھ اٹھا کر تالیاں نہیں بجائیں، سردار گرف نے غصے سے آس پاس دیکھا تو سب تالیاں بجانے لگے۔ زیگ اور رینا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سردار گرف اور ان دونوں کے درمیان آگ کی بنی ایک لمبی لائن تھی جسے کراس کر کے ہی وہ دونوں ایک دوسرے سے مقابلہ کر سکتے تھے اگر کوئی بھی یہ لائن کراس نہیں کرتا یا واپس لائن کے پار چلا جاتا تو وہ مقابلہ ہار جاتا۔

سردار گرف اپنا آگ کا کوڑا پکڑ کر مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور آگ کی لائن پار کی۔ زیگ نے رینا کی طرف دیکھا۔ زیگ اور رینا نے اپنے اپنے آگ کے کوڑے ہوا میں لہرائے اور ایک ساتھ آگے بڑھے مگر اچانک کسی نے رینا کے قدم جکڑ لیے جبکہ زیگ آگ کی لائن پار کر گیا۔

''زیگ!'' رینا نے فکرمندی سے پکارا تو زیگ فوراً پلٹا مگر رینا آگ کی لائن کی دوسری طرف تھی۔

''اپنی جگہ سے مت ہلنا۔''

جیمز دور سے چلایا تو زیگ بے خیالی میں رینا کی طرف جاتا فوراً رک گیا۔ اسی وقت سردار گرف نے ہاتھ میں پکڑا آگ کا کوڑا ہوا میں اچھالا تو کوڑا سیدھا زیگ کی کمر پر لگا۔

زیگ تڑپ کر کئی فٹ اوپر اچھلا اور پھر زمین بوس ہو گیا۔ ایک ساتھ کئی چیخیں بلند ہوئی تھیں۔ رینا اپنی جگہ تڑپ رہی تھی بھائی کی مدد کرنے کے لیے مگر کسی ان دیکھی طاقت نے اسے پکڑ لیا تھا جبکہ ریٹا اور جیمز دور کھڑے زیگ کو ہمت کر کے اٹھنے کا کہہ رہے تھے۔ سردار گرف قہقہے لگانے لگا۔ زیگ کے ہاتھ سے آگ کا کوڑا گر گیا تھا۔ سردار گرف نے اگلا حملہ کیا مگر زیگ نے چالاکی سے کروٹ لے کر اس کا وار بے کار کر دیا۔ سردار گرف جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹا۔

''تمھیں شرم نہیں آتی! سردار ہو کر معصوم بچوں سے لڑ رہے ہو؟''

اچانک واٹسن جیک غصے سے چلایا تو سردار گرف فوراً رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا دراصل واٹسن جیک نے یہ شور زیگ کی مدد کرنے کے لیے کیا تھا تاکہ زیگ سنبھل کر اپنا آگ کا کوڑا اٹھا لے۔

''یہ سب تمھاری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر تم پہلے ہی ہماری بات مان لیتے تو آج یہ دن نہ آتا۔'' سردار گرف نے غصے سے کہا۔ واٹسن جیک چونک گیا۔

''میری وجہ سے؟'' واٹسن جیک نے حیرانی سے کہا۔

اسی وقت زیگ تیزی سے اپنے کوڑے کی طرف بڑھا مگر کسی نے اس کے پاؤں میں پاؤں اڑا کر نیچے گرا دیا اور اس کا کوڑا غائب ہو گیا۔ سردار گرف فوراً پلٹا اور زیگ پر اگلا حملہ کیا جو زیگ کے ہاتھ پر لگا اور وہاں گہرا زخم بن گیا۔ زیگ تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

''ہنری! تم کہاں ہو؟'' واٹسن جیک نے خود کلامی کی۔

سردار گرف آخری وار کرنے زیگ کی طرف بڑھنے لگا، اگر سردار گرف آگ کا کوڑا زیگ کی گردن پر مارتا تو وہ تن سے جدا ہو جاتی اور زیگ کا بھوت ہمیشہ کے لیے مر جاتا۔

سردار گرف جیسے ہی پاس پہنچا، رینا چلائی۔

''زیگ!'' رینا نے اپنا کوڑا زیگ کی طرف اچھال دیا۔ جسے اچانک ہنری نے ظاہر ہو کر زیگ کو تھمایا اور پھر فوراً غائب ہو گیا۔ یہ سب ایک لمحے میں ہوا تھا۔ زیگ نے کوڑا اٹھا کر سردار گرف کی طرف لہرایا، دونوں کے کوڑے ایک دوسرے سے ٹکرائے اور خوف ناک آگ کا دھماکہ ہوا۔ سب بھوت آگ کی تپش سے گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

''یہاں کوئی ہے۔ کسی نے زیگ کی مدد کی ہے۔'' سردار گرف چلایا۔

''بالکل ایسے ہی جیسے تمھارے چاروں وزیر، تمھاری مدد کر رہے ہیں۔''

اچانک ٹام نمودار ہوا اور اس نے کہتے ہوئے لال رنگ کا محلول چاروں طرف اچھال دیا۔ چاروں وزیروں پر لال محلول گرتے ہی ان کا غائب ہونے والا جادو ختم ہو گیا اور وہ ظاہر ہو گئے۔ دو بھوت وزیروں نے رینا کو پکڑا ہوا تھا اور دو زیگ کے پاس کھڑے تھے۔

''یہ دھوکا ہے۔'' ریٹا اور جیمز چلائے۔ سب بھوت غصے میں سردار گرف کو برا بھلا کہنے لگے۔

''تم بچوں کو ہرانے کے لیے اپنے ساتھیوں کی مدد لے رہے تھے۔ شرم کرو۔'' واٹسن جیک نے غصے سے کہا۔ سردار گرف غصے سے گرجا تو سب چپ کر گئے۔

''ان تینوں کو میرے سامنے لاؤ۔ آج یہ قصہ ہی ختم کر دوں گا۔'' سردار گرف نے غصے سے کہا تو چاروں وزیر ٹام، زیگ اور رینا کو پکڑ کر سردار گرف کے سامنے لے آئے۔

''ہمارے بچوں کو چھوڑ دو۔'' جیمز اور ریٹا اپنی جگہ سے بھاگے مگر کچھ پہرے دار بھوتوں نے روک لیا۔

''انھیں بھی آنے دو۔ اچھا ہے یہ سب ساتھ ہی کالی گھاٹی میں جائیں۔''

سردار گرف نے قہقہے لگاتے ہوئے کہا تو ان دونوں کو چھوڑ دیا گیا۔ دونوں بھاگتے ہوئے اپنے بچوں سے لپٹ گئے۔ اب وہ پانچوں درمیان میں کھڑے تھے اور ان کے گرد سردار گرف کے وزیر بھوت کھڑے تھے۔

''میں تمھاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔ بھوت بن کر ہمیشہ یہاں رہوں گا۔ تمھاری غلامی کروں گا۔ تم ان سب کو چھوڑ دو۔ اپنے قبیلے سے نکال دو مگر ان کی زندگی بخش دو۔'' اچانک واٹسن جیک نے منت کرتے ہوئے کہا تو سردار گرف چونک گیا۔ جیمز اور ریٹا بھی حیرانی سے اسے دیکھنے لگے۔

''تم انسان ہو کر ہماری خاطر قربانی دے رہے ہو؟'' جیمز اور ریٹا نے حیرانی سے کہا۔

''انسان ہوں یا بھوت! اپنی فیملی سے محبت تو سب کو ہوتی ہے۔ پہلے میری وجہ سے ہنری اپنے بیٹے سے دور رہا اور اب آپ سب بھی...! میں تو اکیلا ہوں۔ کئی سال سے لاپتہ۔ میرے ہونے یا نہ ہونے سے کسی کو فرق نہیں پڑے گا مگر آپ سب کی فیملی ختم ہو جائے گی۔'' واٹسن جیک نے اداسی سے کہا۔

''احمق! تمھارے ہونے یا نہ ہونے سے مجھے فرق پڑتا ہے۔'' اچانک ہنری وہاں نمودار ہوا اور منھ بناتا واٹسن جیک کی طرف بڑھا۔

''تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے؟ کیا تم کوئی جادو جانتے ہو؟ یہ کیسا جادو ہے جسے ہم نہیں ڈھونڈ سکے؟'' سردار گرف نے حیرت سے سوال کیا تو ہنری مسکرا دیا۔

''ہاں! تمھارے جیسے ظالم لوگوں کے لیے دوستی خلوص سب جادو ہی ہوتا ہے۔'' ہنری نے کہا اور پھر غائب ہو گیا۔

''ڈھونڈو اسے ...!'' سردار گرف چیخا۔ سب ادھر سے اُدھر دیکھنے لگے مگر ہنری وہاں ہوتا تو نظر آتا۔ وہ اپنی گھڑی میں وقت سیٹ کر کے کچھ لمحے پہلی والی جگہ پر پہنچ جاتا اور پھر وہاں سے واپس آ جاتا۔ اچانک ہنری نمودار ہوا تو وہ سردار گرف کی پشت پر تھا۔ ہنری نے زور کا دھکا سردار گرف کو دیا۔ وہ بے خیالی میں لڑکھڑایا۔ اس کے چاروں وزیر مدد کو آگے بڑھے۔ تب ہی ٹام، زیگ، رینا، نے اپنے اپنے لاکٹ کی جادوئی روشنی کا رخ ان کی طرف کر دیا۔ ان تینوں کی مدد کو جیمز اور ریٹا آگے آئے۔ ان کے لیے یہ مہلت بہت تھی۔

جیمز نے سردار گرف کا آگ کا کوڑا پکڑ لیا جبکہ ریٹا نے رینا والا کوڑا اٹھا لیا۔ اس سے پہلے کہ کوئی سنبھلتا، جیمز اور ریٹا نے دونوں کوڑے ایک ساتھ ہوا میں لہرائے اور سردار گرف پر حملہ کر دیا۔ سردار گرف کی گردن پہلے ہی وار میں تن سے جدا ہو گئی۔ سردار گرف ایک لمحے میں ہوا میں غائب ہو گیا۔ اس کے چاروں وزیر گھبرا کر بھاگنے لگے مگر آگ کے کوڑے کے اگلے وار نے انھیں بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ ان کے ختم ہوتے ہی واٹسن جیک کے گرد بنا حصار ٹوٹ گیا اور وہ زمین پر گر گیا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' ہنری نے جلدی سے پاس آ کر کہا تو واٹسن جیک نے اٹھتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا۔

''اور کسی نے مقابلہ کرنا ہے؟'' جیمز اور ریٹا نے آگ کا کوڑا لہراتے ہوئے چاروں طرف دیکھا تو سب بھوت ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔

''آج سے ہمارے نئے سردار آپ دونوں ہیں کیوں کہ سردار گرف کو آپ دونوں نے ختم کیا ہے۔'' ایک شاہی وزیر نے آگے ہو کر جیمز اور ریٹا سے کہا تو سب بھوت خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ جیمز اور ریٹا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''یہ سب آپ دونوں کی وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ سب ہنری اور واٹسن جیک کے پاس آئے اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

''آج کے بعد میں بھوتوں اور انسانوں کی دوستی پر کہانیاں لکھوں گا۔'' واٹسن جیک نے مسکرا کر کہا تو سب ہنس پڑے۔

اگلے چند دن نئے سردار بننے کی خوشی میں پورے قبیلے میں جشن کا سماں رہا۔ سب بھوت سردار گرف کی قید سے آزاد ہونے پر بہت خوش تھے۔

''اب ہمارے واپس جانے کا وقت ہے۔'' ایک رات ہنری نے کہا تو جیمز اور اس کی فیملی اداس ہو گئی۔

''ہم آپ سے ملنے ضرور آئیں گے۔'' رینا نے کہا تو زیگ اور ٹام نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

''میں نہیں جانتا کہ یہ ممکن ہو گا یا نہیں ...!'' واٹسن جیک نے اپنے آس پاس کھڑے مخلص چہروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مگر میں ہمیشہ آپ سب کو یاد رکھوں گا اور!'' واٹسن جیک نے زیگ کی طرف دیکھا۔

''میری شائع ہونے والی ہر کتاب کی پہلی کاپی میرے سب سے بڑے اور انوکھے آسیبی پرستار زیگ کے نام ہو گی۔'' واٹسن جیک نے مسکرا کر کہا تو زیگ کا چہرہ خوشی سے کھل

اٹھا۔

''واٹسن جیک! آپ کی واپسی کا وقت آ گیا ہے۔ ایک بات یاد رکھیے گا کہ جب ہم واپس اپنے اپنے وقت میں جائیں گے تو دوبارہ وقت کی قید سے آزاد نہیں ہو سکیں گے یعنی ایک دوسرے تک آنا شاید ممکن نہ ہو۔'' ہنری نے سنجیدگی سے کہا۔

''یعنی کہ ہم دوبارہ نہیں ملیں گے؟'' واٹسن جیک کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ہنری نے اثبات میں سر ہلایا اور واٹسن جیک کے گلے لگ گیا۔

وہ سب باری باری ایک دوسرے سے ملے۔ ہنری نے گھڑی میں وقت سیٹ کیا، ایک الوداعی نگاہ بھوتوں کی عجیب و غریب دنیا پر ڈالی اور وہ دونوں وہاں سے غائب ہو گئے۔ دو انسانوں کے وہاں سے جانے سے بھوتوں کی بستی میں کئی دن تک اداسی چھائی رہی تھی۔

❁

''وائزلی! تم نے مسودہ اشاعتی ادارے کو دے دیا تھا؟''

صبح ناشتے کے لیے ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے واٹسن جیک نے اپنے مخصوص انداز میں سوال کیا تو وائزلی ایک جھٹکے سے مڑا اور حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''سر! آپ کہاں تھے؟ میں کتنی دیر سے آپ کو ڈھونڈ رہا تھا۔'' وائزلی نے فکرمندی سے کہا۔

''میں اپنے کمرے میں تھا۔ فضول سوال مت کرو اور جلدی سے ناشتا بنا کر لاؤ۔''

واٹسن جیک نے منھ بنا کر کہا تو وائزلی تیزی سے مڑ گیا وہ حیران تھا کہ سر دن کے گیارہ بجے ناشتہ کیوں مانگ رہے ہیں۔ وائزلی جو پولیس میں اس کی گمشدگی کی اطلاع دینے والا تھا، فوراً رک گیا۔

کچھ دیر کے بعد وائزلی ناشتا بنا کر لے آیا۔

''گڈ! سنو کل جو بچی آئی تھی... کیا نام تھا ...! ہاں جوڈی...! اس کی تعلیم کا سارا خرچہ ہم اٹھائیں گے مگر اس شرط پر کہ وہ سائنس دان بن کر وقت کو قابو کرنے کے لیے کچھ ایسا ضرور بنائے گی جو میرے دوست سے مجھے ملوا سکے اور...!'' واٹسن جیک کہتے ہوئے چپ ہو گیا۔

''کون سے دوست؟'' وائزلی نے حیرت سے پوچھا۔

''تم جوڈی کو یہ خبر سناؤ اور فضول کے سوال مت کرو۔''

واٹسن جیک نے اطمینان سے اپنا ناشتا ختم کیا اور پھر اٹھ کر اپنے لکھنے کے کمرے میں چلا گیا۔ نہ جانے کتنے سالوں کے بعد، وہ کاغذ اور قلم پر اپنے لفظ اتار رہا تھا۔ یہ راز صرف ہنری اور واٹسن جیک ہی جانتے تھے کہ وہ دونوں کئی سال وقت میں بھٹکتے رہے ہیں مگر اصل میں وقت چند گھنٹے آگے گیا تھا۔ آنے والے سالوں میں واٹسن جیک کی ہر کہانی، ہر تحریر میں بھوت اور انسانوں کی دوستی دکھائی جاتی تھی۔

واٹسن جیک کی کہانی میں ایک پراسرار سائنس دان کا ذکر ضرور ہوتا، جو وقت میں سفر کرنے کا ہنر سیکھ چکا تھا۔ واٹسن جیک اپنی زندگی کی آخری سانس تک ہنری کو یاد رکھنا چاہتا تھا اور اپنے مرنے کے بعد اپنی تحریروں میں اسے زندہ رکھنے کی خواہش تھی کہ ہنری نے اسے دوستی اور خلوص کے نئے معنی سکھائے تھے۔

❁

''ایڈم سو گیا؟''

ہنری اپنی لیب میں کام کرنے میں مصروف تھا جب کافی کگ تھام کر لوئیسا اندر داخل ہوئی۔ لوئیسا نے مسکرا کر سر ہلایا اور کافی کا مگ ہنری کی طرف بڑھا دیا۔ ہنری نے کام سے

وقفہ لیا اور گھونٹ گھونٹ کر کے مزیدار کافی سے لطف اندوز ہونے لگا۔

''ایڈم ابھی تک بے یقین ہے کہ اس کا باپ واپس لوٹ آیا ہے۔'' لوئیسا نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ یقین کرنا ابھی مشکل ہے مگر وہ سب سمجھ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ایڈم مشکل سے آگے دیکھنے اور بڑھنے کا حوصلہ رکھے۔ میں اسے بہت خاص بنانا چاہتا ہوں۔''

ہنری نے سنجیدگی سے کہا۔

''اسی لیے آپ ایڈم کے لیے نئی گھڑی بنا رہے ہیں؟'' لوئیسا نے سوال کیا۔

''ہاں مگر گھڑی سے کچھ جدید اور الگ چیز بنانے کی کوشش میں ہوں۔ میں اپنی گھڑی کے سب فنکشن اس میں ڈالوں گا مگر میں چاہتا ہوں کہ نئی گھڑی جدید اور نئی فنکشن کی مالک ہو۔ جیسے اس میں اسٹاپ واچ جیسی صلاحیت بھی ہو جو وقت کو تیز یا اس کی رفتار کو کم کر سکے یا اسے گن سکے یا وقت کے کسی لمحے کو غائب کر سکے اور....''

ہنری نے تھک کر گہری سانس لی۔ لوئیسا مسکرا دی۔

''آپ نے پہلے ہی ''راز کا سفر'' جیسی اعلیٰ گھڑی بنا کر کمال کیا ہے۔ میرے خیال سے اب اس گھڑی کو منظر عام پر آ جانا چاہیے۔''

لوئیسا نے کہا تو ہنری نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں جانتا ہوں کہ اگر یہ گھڑی کسی کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اس کا غلط استعمال کر سکتا ہے۔ جب تک ایڈم اس قابل نہیں ہو جاتا کہ اس گھڑی کی ذمہ داری اٹھا سکے، تب تک ہم دونوں خاموش رہیں گے۔ عام سے انسان بن کر زندگی گزاریں گے۔''

ہنری نے کہا تو لوئیسا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

ہنری اب اکثر ایڈم اور لوئیسا کو بھوتوں کے قبیلے اور ڈروانی کہانیوں کے مشہور مصنف والٹسن جیک کے قصے سناتا۔

وہ والٹسن جیک جو کئی سال پہلے اپنی طبعی موت مر چکا تھا مگر ہنری کو یقین تھا کہ والٹسن جیک اپنی آخری سانس تک ان دونوں کی دوستی اور وقت کے خلا میں گزرے وہ عجیب و غریب وقت کو نہیں بھولا ہوگا جس نے انھیں ایک دوسرے سے ملوایا تھا۔

ایڈم، والٹسن جیک کی تحریروں کا بہت بڑا مداح تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ والٹسن جیک کی تحریروں میں جس سائنس دان ہنری کا ذکر ہے، وہ اصل میں اس کا باپ ہنری ہی تھا۔ ایڈم تو یہ سمجھتا تھا کہ یہ سب اتفاق ہے۔

''میں سب راز ایڈم کو ضرور بتاؤں گا مگر وقت آنے پر...!'' ہنری نے اپنی جدید گھڑی میں منٹ کی سوئی سیٹ کرتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔

❁

رات گہری ہو چکی تھی۔ اس گہری اور پراسرار رات میں گھر سے باہر کسی کی پراسرار آہٹیں موجود تھی۔

''کیا ہمیں ہنری سے ملنا چاہیے؟''

اندھیری رات میں کھڑکی پر الٹے لٹک کر اندر جھانکتے زیگ نے جلدی سے پوچھا تو رینا نے نفی میں سر ہلایا۔

''ابھی نہیں...! اصلی دنیا میں جو حدود ہم سب کے لیے رکھی گئیں ہیں، ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ ہمارا جب دل کرتا ہے ہم انھیں دیکھنے آ جاتے ہیں؟''

رینا نے مسکرا کر کہا تو زیگ نے سر ہلایا۔

دونوں بہن بھائی مسکراتے ہوئے نیچے اترے اور ویران

راستے پر چلتے ہوئے ہنری، والٹسن جیک کی باتیں کرنے لگے۔

وہ دو انسان، جن سے کچھ بھوتوں کا خاص تعلق بن گیا تھا۔

کیوں کہ وہ بھوت ان کے سچے پرستار تھے۔

❁

وہ جنوری 2032ء کا ایک سرد دن تھا۔ امریکا کی ایک مشہور سائنسی لیب میں ادھیڑ عمر کی ایک عورت جدید لیپ ٹاپ سامنے کھولے، تیزی سے ہاتھ چلاتی کچھ لکھ رہی تھی۔

اس کی ذہانت سے چمکتی آنکھیں، کندھے پر لگا اس کے نام کا بیج بتا رہا تھا کہ وہ ایک کامیاب سائنس دان ہے۔

''میم! اسکالرشپ پر جن تین طلباء کو منتخب کیا تھا۔ وہ سب ٹیسٹ پاس کر چکے ہیں۔''

دروازہ کھول کر مس لیری پروفیشنل انداز میں کہتے ہوئے اندر داخل ہوئیں تو اس نے چونک کر دیکھا۔

''کام میں اتنا مصروف تھی بچوں کا انٹرویو کرنا بھول ہی گئی۔ باری باری کر کے انھیں اندر بھیجیں۔ تب تک میں ان کی فائل دیکھ لوں۔''

اس نے سنجیدگی سے کہا تو مس لیری نے تین چپس سامنے رکھیں۔ جس میں سے ایک چپ اٹھا کر اس نے اپنے لیپ ٹاپ سے منسلک کی تو اسکرین پر پہلی امیدوار مس کیتھرین کی سب تفصیلات آ گئیں۔ مس کیتھرین کے بعد دوسرے امیدوار کا تعلق کا بھی امریکا سے ہی تھا۔

تیسری چپ کا ڈیٹا دیکھتے ہوئے وہ چونک گئیں۔ انھیں یہ نام کچھ شناسا سا لگا۔ پہلے دو امیدواروں سے مختصر انٹرویو کر کے جلدی سے تیسرے امیدوار کو بلایا تو چوبیس سال کا لمبا اور پر اعتماد لڑکا اندر داخل ہوا جس کی آنکھوں میں عجیب سی اداسی تھی۔

''میرا نام جوڈی والٹسن ہے۔ آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں۔''

جوڈی والٹسن نے مسکرا کر کہا تو سامنے بیٹھا لڑکا سنجیدہ آواز میں اپنا مختصر تعارف پیش کرنے لگا۔ جوڈی والٹسن کو اس میں کچھ انوکھا نہیں لگا تو اس نے سر جھٹکا۔ وہ لڑکا اٹھ کر جانے لگا تو جانے سے پہلے اس نے اپنا دایاں ہاتھ مصافحہ کے لیے آگے بڑھایا۔ جوڈی والٹسن نے مسکرا کر ہاتھ ملایا۔ لڑکے کے ہاتھ میں پہنی انوکھی گھڑی دیکھ کر جوڈی کے ذہن کو زور کا جھٹکا لگا تھا۔

''ک۔ کیا نام بتایا؟'' جوڈی نے جلدی سے پوچھا تو واپس جاتا لڑکا حیرانی سے مڑا۔

''ایڈم ایچ لنکن!'' ایڈم نے مسکرا کر کہا۔

''ایڈم ایچ لنکن....'' جوڈی نے کھوئے کھوئے انداز میں نام دہرایا۔

''یس میڈم! ایڈم ہنری لنکن۔'' ایڈم نے بتایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

''ایڈم.... ہنری.... لنکن.... یہ نام تو سنے سنے لگ رہے ہیں۔'' وہ بڑبڑائی اور پھر تیزی سے کرسی پر بیٹھ کر اپنی مخصوص دراز کو مختلف نمبرز لگا کر اس کا تالا کھولا۔

اس میں سے ایک پرانی ڈائری نکالی۔ جس میں اس سرپرست کی سب تفصیل کے ساتھ، ایک راز بھی دفن تھا۔ جوڈی نے جلدی سے کچھ صفحے پلٹے تو ایک صفحے پر ایڈم کے ہاتھ پر پہنی گھڑی جیسی تصویر بنی دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

''یہ ہنری کا بیٹا ہے۔ سر والٹسن جیک کے سب سے بڑے دشمن کا!''

جوڈی نے غصے سے خودکلامی کی اور دراز دوبارہ سے لاک کر دیا۔

''سر واٹسن جیک! آپ کی وجہ سے آج میں اس مقام تک پہنچی ہوں۔ آپ نے مجھے اپنا نام، اپنا سب کچھ دیا۔ اب میرا بھی فرض ہے کہ آپ کے قاتل سے بدلہ ضرور لوں۔'' جوڈی نے غصے سے خودکلامی کی۔

اسے آج بھی یاد ہے جب ایک صبح وہ واٹسن جیک سے ملنے آئی تو واٹسن جیک خون میں لت پت کمرے کے وسط میں زمین پر پڑے تھے۔ ان کے پاس ہی یہ ڈائری موجود تھی۔ انھوں نے جوڈی کو دیکھتے ہی ڈائری کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''واٹسن انکل! یہ سب کس نے کیا؟'' جوڈی نے روتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہنری....س....سائنسی گھڑی، اس.....می.....میں....''

واٹسن جیک کے ادھورے لفظوں سے جوڈی کو بس اتنا ہی سمجھ آیا تھا۔ واٹسن جیک تو مر گئے مگر جوڈی کے کندھوں پر اپنے بدلے کی بھاری ذمہ داری چھوڑ گئے تھے۔

''میں آپ کا بدلہ، آپ کے دشمن کے بیٹے سے ضرور لوں گی۔''

جوڈی نے اپنا عہد دہرایا اور مس لیری کو انٹر کام پر اندر آنے کا کہا۔

''ایڈم لنکن کو منتخب کر لیں۔ وہ ہمارے ادارے کے لیے اچھا اضافہ ثابت ہوں گے۔'' جوڈی نے پراسرار انداز میں کہا تو مس لیری سر ہلاتی باہر چلی گئی۔ جوڈی نے اسکرین پر چمکتے ایڈم کے نام کے آگے سرخ دائرہ بنایا تھا۔

....❁....

اسٹارلنگ نامی پرندہ

عیشان عمران۔ لاہور

انگلستان میں اسٹارلنگ نامی ایک پرندہ ہے یہ امریکہ کے بعض حصوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ ڈاکو پرندہ ہے، پھلوں کے باغوں کو بہت نقصان پہنچاتا ہے لیکن جتنا نقصان پہنچاتا ہے اس کی قیمت بھی ادا کر دیتا ہے۔ پھلوں کے پکنے سے پہلے یہ باغ کے کیڑے مکوڑوں کا صفایا کر دیتا ہے ورنہ اگر یہ کیڑے زندہ رہ جائیں تو باغ کو اسٹارلنگ کی دعوت سے کئی گنا زیادہ نقصان پہنچے۔

❁

سب سے شدید چھینک

سب سے شدید چھین میامی فلوریڈا کے ۱۷ سالہ جون کلارک کی تھی۔ ۴ جنوری ۱۹۶۶ء کو یکا یک اسے چھینکیں آنا شروع ہوئیں۔ اس سے پہلے وہ گردے کے درد کے سلسلے میں جیکس میموریل ہسپتال میامی میں زیر علاج رہ چکا تھا۔ یہ مسلسل چھینکیں ۸ جون ۱۹۶۶ء کو ۱۵۵ دنوں کے بعد بجلی کے علاج سے ختم ہوئیں۔ ماہرین نے ان چھینکوں کے دوران خارج ہونے والے ذرات کی رفتار کا اندازہ ۱۰۳۰۶ میل فی گھنٹہ لگایا ہے۔

....❁....

سرورق کہانی

شکر گزاری

فاکہہ قمر۔ سیالکوٹ

''اف! پھر سے رمضان آ گیا ہے۔ کل پہلا روزہ ہے۔''

دس سالہ عرفان نے منہ بناتے ہوئے بے زاریت سے خبریں سنتے ہوئے بڑبڑاہٹ کا اظہار کیا۔

''کیا ہوا ہے بھائی؟ موڈ کیوں آف ہے؟''

دو سال بڑی بہن خدیجہ نے پوچھا۔

''دیکھو! پھر رمضان آ گیا ہے۔''

عرفان نے غصے سے ٹی وی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''بھائی! اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے؟ یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ رمضان کا مہینہ شروع ہو رہا ہے۔''

خدیجہ نے الجھتے ہوئے بھائی کو کہا۔

''ہونہہ! اس میں خوشی والی کون سی بات ہے؟ رمضان کی وجہ سے سب سے زیادہ نقصان تو ہم بچوں کا ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ شامت تو ہماری آتی ہے۔''

عرفان نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''ہیں....نقصان! کیسا نقصان؟ بھائی! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟''

''کچھ تو ہوش کے ناخن لیں۔ یہ تو بہت ہی بابرکت اور مبارک مہینہ ہے جس میں سب کے لیے ڈھیروں آسانیاں اور برکتیں ہوتی ہیں۔''

خدیجہ ورطہ حیرت میں گم بھائی کی منفی سوچ پر ماتم کر رہی تھی۔

''میں صحیح کہہ رہا ہوں۔ رمضان کی وجہ سے ہمارا ٹی وی دیکھنا بند ہو جاتا ہے۔ زبردستی ہمیں بھی نماز اور قرآن پڑھوایا جاتا ہے اور تو اور روزہ رکھوا کر سارا دن بھوکا مارا جاتا ہے۔ حد تو

یہ ہے کہ ساری کھانے پینے کی دکانیں بھی بند ہوتی ہیں۔ گویا روزہ نہ ہوگیا بھوک ہڑتال ہوگئی۔‘‘

عرفان کب سے بغیر سوچے سمجھے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے میں مشغول تھا۔

’’بہت ہی افسوس کی بات ہے۔ نہایت ہی شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔‘‘

امی کی آواز پر جہاں خدیجہ چونک کر اٹھ بیٹھی تھی وہیں عرفان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئی تھی۔

’’ام....امی! آپ؟‘‘

عرفان نے بمشکل زبان کو تر کرتے ہوئے امی کو مخاطب کیا۔

’’میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تمھاری سوچ اس قدر منفی ہوگی۔‘‘

امی نے شدت غم سے نڈھال ہوکر عرفان کو کہا۔

’’نہیں! وہ امی! وہ اصل میں۔‘‘

عرفان کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ امی کو کیسے سمجھائے۔ اس سے بات بنانی مشکل ہورہی تھی۔

’’بس کر دو! میں سب کچھ تمھاری زبانی سن چکی ہوں۔‘‘

امی نے عرفان کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

عرفان ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ امی نے محض آدھی ادھوری باتیں سنی ہوں گی لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہوگیا تھا۔

’’تمھیں شرم نہیں آئی یہ سب باتیں کہتے ہوئے؟ تمھارا بھی قصور نہیں ہے، تمھیں سب کچھ پلیٹ میں رکھ کر جو ملا ہے۔ پیدائشی طور پر مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولی اور گناہوں کی بخشش کے لیے رمضان جیسا مہینہ اور کئی عبادات کی راتوں سے نوازے گئے ہو اسی لیے قدر معلوم نہیں ہورہی ہے۔‘‘

امی نے غصے سے عرفان کو آئینہ دکھاتے ہوئے کہا۔

’’اگر آج تم کسی غیر مسلم خاندان کا حصہ ہوتے اور گناہوں سے لتھڑی زندگی بسر کررہے ہوتے اور تمھیں کسی وقت سکون اور چین میسر نہ ہوتا تو تمھیں معلوم ہوتا کہ تم کتنے خوش نصیب ہو کہ اللہ نے تمھیں بن مانگے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اور تمھاری جھولی کو بھر دیا ہے لیکن افسوس تمھیں اس کی قدر و قیمت کا احساس تک نہیں ہے۔‘‘

امی نے مارے غم و غصے کے عرفان کو احساس دلایا کہ وہ کتنا خوش بخت ہے لیکن وہ اس بات سے نا آشنا ہے اور نا سمجھی میں ناشکری کا مرتکب ہورہا ہے۔ امی کی باتوں نے عرفان کے سوئے ہوئے مردہ ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ عرفان سر جھکائے شرمندہ سا کھڑا تھا۔

’’امی! میں بھائی کو یہی سمجھا رہی تھی۔‘‘ خدیجہ جو خاموشی سے سب سن رہی تھی اس نے بھی لقمہ دیا۔

’’پچھلے سال تم نے صرف دو روزے رکھے تھے اور ایک روزہ گیارہ بجے ہی توڑ دیا تھا۔ کتنی بری بات ہے یہ؟ کیا تم نے سوچا کہ روزہ توڑنے سے اللہ تعالیٰ تم سے کتنا ناراض ہوئے ہوگا؟‘‘

’’وہ....وہ امی! میری طبیعت خراب ہوگئی تھی، اسی لیے روزہ توڑ دیا تھا۔ بعد میں، میں نے اللہ سے معافی بھی تو مانگی تھی۔‘‘ عرفان نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

’’خیر! پہلے جو ہونا تھا ہوگیا۔ بیٹا! اللہ کا شکر ادا کرو کہ

اس نے ایک تو مسلمان بنایا اوپر سے زندگی میں ہی توبہ اور گناہوں سے معافی اور بخشش کے حصول کے لیے رمضان جیسا مہینہ عطا کیا ہے۔ اس کی ناشکری مت کرو۔‘‘

عرفان کی روتی صورت کے پیش نظر اس بار امی نے ذرا نرمی سے عرفان کو سمجھایا۔

’’امی! مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کیا کچھ کہہ رہا ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔‘‘

عرفان نے شرمندگی سے امی سے معافی طلب کی جو کہ اس بات کا پیش خیمہ تھی کہ اس کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوگیا ہے۔

’’مجھ سے نہیں اپنے رب سے معافی طلب کرو جس کی بے شمار نعمتوں کے باوجود بھی تم ناشکری کرنے پر تلے ہوئے تھے۔‘‘

امی نے عرفان کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

’’جی امی! آئندہ میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گا جس سے ناشکری ہو اور اب میں رمضان کے روزے بھی رکھوں گا اور اللہ سے معافی بھی مانگوں گا۔‘‘

عرفان نے جھکے سر کے ساتھ امی اور خدیجہ کو اپنے اگلے لائحہ عمل سے آگاہ کیا تو دونوں مسکرا اٹھیں اور دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے اس ناسمجھ لڑکے کو بروقت عقل و شعور عطا کر دیا۔

’’کل سے رمضان شروع ہو رہا ہے، سحری کی تیاری شروع کر دو۔ کل ہم سب روزہ رکھیں گے۔‘‘ امی نے کہا۔

’’جی امی! اس بار تو موسم بھی قدرے بہتر ہے، میں تو پورے روزے رکھوں گی۔ ان شاء اللہ!‘‘ خدیجہ نے پرجوش انداز میں کہا۔ اسے دیکھ کر عرفان بھی بولا:

’’میں بھی کم از کم آدھے روزے ضرور رکھوں گا، ان شاء اللہ!‘‘

’’ان شاء اللہ! لیکن تراویح کی نماز تم نے روزانہ اپنے ابو کے ساتھ پڑھنے جانی ہے۔‘‘ امی نے عرفان کی طرف دیکھ کر کہا۔

’’جی ضرور، ان شاء اللہ!‘‘ عرفان نے مسکرا کر کہا۔

اگلے دن افطاری کے دسترخوان پر عرفان، خدیجہ، امی اور ان کے ابو ایک ساتھ بیٹھے مغرب کی اذان کا انتظار کر رہے تھے۔ دسترخوان پر کھجوریں، سموسے، پکوڑے، چکن روسٹ اور طرح طرح کے پکوان موجود تھے۔

’’اللہ کا بہت بہت شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس مہنگائی کے دور میں بھی وافر مقدار میں رزق حلال عطا کیا۔ روزہ کھلنے سے پہلے سب ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کریں گے اور دعا مانگیں گے۔‘‘ ابو نے کہا اور چاروں نے ہاتھ اٹھا کر اللہ کے حضور شکر ادا کیا۔

کچھ دیر میں قریبی مسجد سے مغرب کی اذان کی آواز آگئی اور سب نے پہلا روزہ افطار کیا۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ناشکری سے بچائے اور نیکی کی توفیق عطا کرے اور اس بابرکت ماہ میں ڈھیروں رحمتیں سمیٹنے کا موقع نصیب کرے، آمین ثم آمین!

....❁....

طوطستان کا مٹھو

سائرہ شاہد۔ ڈیرہ غازی خان

طوطستان کا موسم بہت اچھا تھا اور سارے طوطے درختوں پر بیٹھے ٹھنڈی ہوا کا مزہ لے رہے تھے۔ مٹھو بھی اپنے امی ابو کے ساتھ موسم کا مزہ لے رہا تھا۔ وہ چپکے سے اڑا اور کبوتر ستان جا پہنچا۔ کبوتر ستان میں اس کا دوست کبور رہتا تھا۔ کبو سفید رنگ کا خوب صورت کبوتر تھا۔ مٹھو نے کبو کے گھر کے پاس جا کر آواز لگائی:

''ٹیں ٹیں کبو یہاں آ ؤنا!''

کبو نے مٹھو کی آواز سنی تو اس کے پاس آ گیا اور پوچھا:

''کیا ہوا؟ کیا ہم کہیں جا رہے ہیں؟''

مٹھو نے جواب دیا:

''ہم آج پھلستان جائیں گے اور مزے مزے کے پھل کھائیں گے۔''

یہ سن کر کبو نے کہا:

''ٹھیک ہے، میں امی ابو کو بتا کر آتا ہوں۔''

یہ کہہ کر کبو جانے لگا تو مٹھو چلایا:

''نہیں نہیں! کسی کو مت بتایئے گا ورنہ ہم نہیں جا سکیں گے۔ پھلستان میں جانے والے پرندے اکثر گم ہو جاتے ہیں اس لیے آپ کے امی ابو نہیں مانیں گے۔''

کبو نے مٹھو کی باتیں سنیں تو اسے بہت برا لگا۔ اس نے کہا:

''یہ بہت غلط بات ہے مٹھو! اپنے امی ابو کو بتائے بغیر کہیں نہیں جانا چاہیے۔ اگر میں آپ کے ساتھ گیا تو امی ابو کو بتا کر ہی جاؤں گا۔'' کبو کا جواب سن کر مٹھو کو غصہ آ گیا وہ بولا:

''مت چلیے آپ، میں اکیلا ہی چلا جاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر مٹھو جلدی سے اڑ گیا اور پھلستان کی طرف جانے لگا جبکہ کبو گھر آ کر اپنے امی ابو سے کہنے لگا:

''امی ابو! میرا دوست مٹھو آیا تھا۔ وہ میرے ساتھ پھلستان جانا چاہتا تھا لیکن میں نہیں گیا اور وہ ناراض ہو کر اکیلا چلا گیا۔''

کبو کی امی پریشانی سے بولیں:

''او ہو کبو! آپ اپنے دوست کو روکیے، پھلستان میں بہت خطرہ ہے۔ جلدی سے جائیں اور اسے واپس لے کر آئیں۔''

کبو اپنی امی کا حکم پا کر جلدی سے اڑا اور مٹھو کے پیچھے چلا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ مٹھو تک پہنچ گیا اور اسے آواز دی:

''رکیے مٹھو!''

مٹھو نے کبو کی آواز سنی تو دل ہی دل میں ہنسا کیوں کہ اسے پتا تھا کہ اس کا دوست کبھی بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑتا۔

''چلیے کبوتر ستان چلتے ہیں، امی آپ کو ڈھیر سارے پھل کھلائیں گی۔''

کبو نے مٹھو کے قریب جا کر کہا تو وہ بولا:

''اب یہاں تک آ چکے ہیں کبو! پھلستان میں بہت بڑے بڑے پھل ہوتے ہیں اور آپ کی امی کے پاس ایسے پھل نہیں ہوں گے۔ بس ایک پھل چکھنے دیجیے پھر ہم گھر واپس چلیں گے۔''

کبو نے اسے بہت سمجھایا لیکن مٹھو بے حد ضدی تھا۔ کبو نے اس کی ضد کے آگے ہار مان لی اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مٹھو کے ساتھ پھلستان میں داخل ہو گیا۔ پھلستان کا ہر پھل اپنے اصل سائز سے زیادہ بڑا تھا اور سارے پھل رس دار معلوم ہو رہے تھے۔ مٹھو نے کہا:

''واہ کبو! دیکھیے نا! کتنے بڑے بڑے پھل ہیں اور دیکھنے میں بھی بہت مزے دار لگ رہے ہیں۔''

یہ کہتے ہی مٹھو مختلف پھلوں کو ذرا ذرا چکھنے لگا اور کبو چاروں طرف گھوم کر سارے پھلوں کو دل چسپی سے دیکھنے لگا۔ اچانک مٹھو کے چیخنے کی آواز آئی اور کبو نے جلدی سے آواز کی طرف دیکھا تو مٹھو ایک تربوز میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ مٹھو کو چھڑانے کے لیے جلدی سے اس کی طرف گیا لیکن مٹھو تربوز کے اندر غائب ہو گیا۔ کبو نے تربوز کے چاروں طرف گھوم کر دیکھا لیکن وہ تو ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ کبو ڈر اور پریشانی کے مارے جلدی سے اڑا اور پھلستان سے باہر نکل گیا۔

مٹھو چیختے ہوئے ایک پتھریلی جگہ پر جا گرا۔ اس نے کراہتے ہوئے اردگرد دیکھا لیکن اسے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک ایک شور بلند ہوا تو وہ ایک دیوار کے پیچھے چھپ گیا۔ وہ دو روبوٹ تھے اور ان کے ہاتھ میں بڑے سے پنجرے تھے، ان پنجروں میں بہت سارے پرندے قید تھے جو شور کر رہے تھے۔ مٹھو نے توجہ سے سنا تو ایک پرندہ بول رہا تھا:

''ہم پھلستان نہ جاتے تو آج آزاد ہوتے لیکن امی ابو کی بات نہ ماننے کی یہی سزا ہے۔''

دوسرے پرندے نے روتے ہوئے کہا:

''میں زیادہ پھلوں کے لالچ میں پھلستان آیا تھا لیکن کیا پتا تھا کہ یہ لالچ مجھے قید کرا دے گا۔''

تیسرا پرندہ بولا:

''اب یہی ہمارا گھر ہے اور یہی ہماری زندگی ہے کیوں کہ ہم اپنی دنیا سے ہزاروں سال آگے آ چکے ہیں وہ تربوز اصل میں ٹائم مشین ہے جو یہاں کے لوگوں نے پھلستان میں رکھی ہوئی ہے۔''

اس پرندے کی بات سن کر مٹھو کو رونا آ گیا کہ اس نے اپنے امی ابو سے چھپ کر اور کبو کی بات نہ مان کر غلطی کر دی تھی۔

کبو بڑی مشکل سے ہانپتے کانپتے گھر پہنچا اور رو کر اپنے امی ابو کو ساری بات بتائی۔ کبو کی امی نے کبوترستان اور طوطستان میں سب کو بتایا:

''پھلستان میں رکھے ہوئے تربوز بلکہ وہاں موجود ہر پھل بہت خطرناک ہے۔ مٹھو پھلستان میں غائب ہو گیا ہے اور اب کبھی واپس نہیں آ سکے گا لیکن ہم سب کو اپنا خیال رکھنا ہو گا۔''

طوطستان اور کبوترستان کے تمام پرندے خوف زدہ ہو گئے اور مٹھو کے امی ابو بیمار پڑ گئے۔

وہاں مٹھو کے رونے کی آواز ایک روبوٹ نے محسوس کر لی اور مٹھو کو پکڑ کر باقی پرندوں کے ساتھ قید کر لیا۔ مٹھو روز یہ کہتے ہوئے روتا ہے:

''اپنے امی ابو کو بتائے بغیر گھر سے نہیں نکلنا چاہیے اور لالچ نہیں کرنا چاہیے۔''

سب پرندے مٹھو کو تسلی دیتے ہیں لیکن اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قید کی سزا مل چکی ہے۔

....❁....

دیکھو میری عیدی آئی

معاذ معاویہ۔ لاہور

ماموں میرے جوتا لائے
خالہ میری کپڑے لائی
دیکھو میری عیدی آئی

پھوپھو نے مجھ کو نقدی دی
چاچی لے کر میٹھا آئی
دیکھو میری عیدی آئی

چچا آئے تایا آئے
نانا آئے نانی آئی
دیکھو میری عیدی آئی

پھر سے سارے مل بیٹھیں گے
پھر سے گھر میں خوشی ہے چھائی
دیکھو میری عیدی آئی

کزنیں مل کر گھر پر آئیں
گھر میں ہر سو ہل چل چھائی
دیکھو میری عیدی آئی

رمضان کوئز برائے اطفال

سوال1: قرآن و حدیث کی اصطلاح میں روزے کا کیا نام ہے؟

جواب: صوم، جس کا معنیٰ ہے رکنا۔ یعنی کھانے پینے سے رکنا۔

سوال2: رمضان المبارک کے روزے کس سن ہجری میں فرض ہوئے؟

جواب: سن دو ہجری میں۔

سوال3: کس سورت میں روزے کے مسائل تفصیل سے بیان ہوئے ہیں؟

جواب: سورت بقرہ میں۔

سوال4: رمضان اسلامی کیلنڈر کا کون سا مہینا ہے؟

جواب: نواں مہینا ہے۔

سوال5: نماز تراویح کی حیثیت کیا ہے؟

جواب: سنت موکدہ۔

سوال6: رمضان المبارک میں مسجد میں رک کر عبادات کرنے کو کیا کہتے ہیں؟

جواب: اعتکاف

سوال7: روزہ دار جنتیوں کے لیے جنت کا کون سا دروازہ مخصوص ہوگا؟

جواب: باب الرّیّان

سوال8: حدیث کے مطابق رمضان میں عمرہ کرنے کا کیا ثواب ہے؟

جواب: رمضان میں عمرہ حضور پاک ﷺ کے ساتھ حج ادا کرنے جیسا ثواب رکھتا ہے۔

سوال9: رمضان میں کون کون سے غزوات ہوئے؟

جواب: غزوہ بدر، فتح مکہ

سوال10: یوم بدر رمضان کی کون سی تاریخ کہلاتی ہے؟

جواب: سترہ رمضان المبارک

....❁....

انٹرویو

دنیائے ادب اطفال کا روشن ستارہ

امان اللہ نیر شوکت

تحریر: ذوالفقار علی بخاری

بچوں کے ادب میں کئی نام ایسے ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں انھی میں سے ایک نام امان اللہ نیر شوکت کا بھی ہے۔ جو کہ کہانی نویس، شاعر اور مدیر کے طور پر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔

امان اللہ نیر شوکت کا جنم 4 جون 1944ء کو ہوا۔ انھوں نے اولین کہانی ''شہزادہ نیر'' کے نام سے لکھی تھی جو ماہ نامہ کھلونا، لاہور میں شائع ہوئی۔ پہلی نظم ماہنامہ لکھنو میں شائع ہوئی۔ ایک طویل عرصے سے ادب اطفال میں سرگرم ہیں اور بچوں کے لیے مسلسل لکھ رہے ہیں جوان کی نونہالوں سے گہری محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ نئے قلم کاروں کو سراہنا بھی ان کے مزاج کی خاصیت قرار دی جاسکتی ہے۔

امان اللہ نیر صاحب ''بچوں کا پرستان'' کے نام سے ایک رسالہ بھی شائع کرتے ہیں جو بچوں میں اپنے مزاج کی وجہ سے بہت مقبولیت رکھتا ہے۔

سہ ماہی ادب اطفال کے خاص شمارے ''چہار درویش نمبر'' جو کہ دسمبر 2018ء تا مارچ 2019ء کا شمارہ تھا اس کی ایک شخصیت امان اللہ نیر شوکت صاحب بھی تھے۔ بچوں کے ادب اور نئی نسل کی آبیاری کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے والی ہستیوں شریف شیوہ، افق دہلوی، امتیاز عارف اور امان اللہ نیر شوکت کی ادب اطفال میں خدمات کے حوالے سے یہ خاص شمارہ مرتب کیا گیا تھا جو کہ اپنی طرز کا ایک منفرد خراج تحسین قرار دیا جاسکتا ہے جو کہ چار ہستیوں کو دیا گیا۔ سہ ماہی

ادب اطفال کے مدیران میں محمد وسیم کھوکھر، محمد ناصر زیدی، محمد اظہر عباس اور کاشف بشیر کاشف شامل تھے۔ اسے کارواں ادب اطفال پبلی کیشن، پاکستان کے زیر اہتمام شائع کیا گیا تھا۔

امان اللہ نیر شوکت صاحب سے ہونے والی ملاقات کی روداد پیش خدمت ہے۔

باغ: آپ کو کب خیال آیا کہ کہانیاں لکھنا اور شعر کہنا چاہیے؟ اپنے ادبی سفر کے آغاز سے آج تک کی داستان سنائیں۔

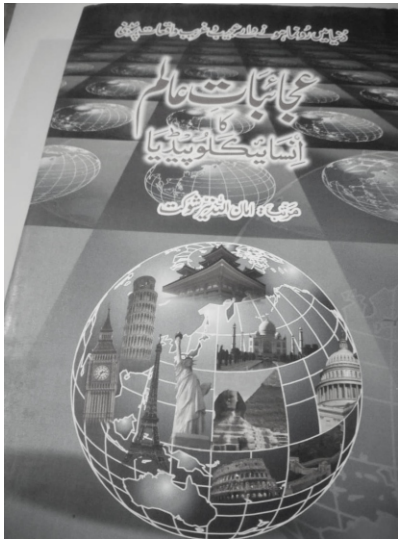

جواب: میرا نام امان اللہ نیر شوکت ہے۔ میں ضلع لیّہ 4 جون 1944ء کو پیدا ہوا۔ میرے والد محترم عبدالرحمٰن خان بلوچ جنرل پوسٹ آفس میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ ان کو شعر و شاعری اور نثر نگاری سے خاص شغف تھا پاک و ہند کے رسالوں میں ان کا کلام شائع ہوتا تھا۔ مجھے رسائل پڑھنے کا شوق شروع سے تھا۔ ہر قسم کے جرائد ہمارے گھر آتے تھے۔

پہلے مجھے شعر و شاعری کرنے کا خیال آیا۔ ایک نظم لکھ کر والد محترم کو دکھائی جس کی انہوں نے اصلاح کر دی اور وہ نظم چوں کہ بچوں کے لیے تھی۔ اس لیے میں نے اپنی نظم، ٹافی ''ماہنامہ ٹافی'' لکھنو میں اشاعت کے لیے بھجوادی۔ دس سال کی عمر میں 1954ء میں میری پہلی نظم شائع ہوئی تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

والد محترم کے نام کی مناسبت سے میرا نام امان اللہ خان بلوچ ہے۔ اسی نام سے نظم ٹافی شائع ہوئی۔ لیّہ میں پرائمری سے گورنمنٹ ہائی سکول میں شوکت حسین انصاری جو نون شوگر ملز میں جنرل مینیجر تھے، ان کے بیٹے نیر شوکت انصاری سے جو سکول میں زیر تعلیم تھے، ملاقات ہوئی۔ ان کو بھی لکھنے کا شوق تھا۔ ان سے میری گہری دوستی ہوگئی۔ ان کی اجازت سے میں نے اپنا ادبی نام امان اللہ نیر شوکت رکھ لیا۔

اِس نام سے سب سے پہلی مافوق الفطرت میری کہانی ماہنامہ کھلونا لاہور میں شائع ہوئی جس کا عنوان ''شہزادہ نیر تھا۔ میں نے 1960 میں سب سے پہلی نوکری لفٹ آپریٹر کے طور پر کی اور نظم لفٹ کی سیر لکھی۔

حسنِ اتفاق ایک دن سیڑھیوں سے اوپر تیسری منزل پر جانے والے صاحب سے ملاقات ہوئی اور میں انھیں لفٹ میں لے آیا۔ علیک سلیک ہوئی تو علم ہوا کہ ان کا نام حامد اللہ خان ملک ہے اور وہ رسالہ ''بچوں کا ڈائجسٹ'' شائع کرتے ہیں۔ میں نے جب اپنا نام انہیں بتایا تو وہ خوش ہوئے اور مجھے بچوں کا ڈائجسٹ میں کام کرنے کے لیے رضا مند کر لیا۔

''بچوں کا ڈائجسٹ'' میں مدیر کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ سولہ سال اس رسالے میں کام کیا اور بہت سے شاعروں ادیبوں کو چھاپا۔ اس کے علاوہ بہت سے رسالوں

میں لکھتا بھی رہا اور نوکری بھی کی۔ بیس سال لاہور سے شائع ہونے والے اخباروں اور ہفت روزہ جرائد میں کام کیا۔ بہت سے اخباروں میں بچوں کے صفحات ترتیب دیے۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز اور دوسرے پبلشنگ اداروں نے میری پچاس پیسے، ایک روپیہ اور پھر زیادہ قیمت والی بہت سی کتابیں چھاپیں۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد نے حمدیہ شاعری لکھنے کا اعلان کیا، جس میں ملک بھر میں حمدیہ شاعری میں اوّل آنے پر مجھے بیس ہزار روپے نقد رقم سے نوازا گیا اور تعریفی سند بھی ملی۔ پاک و ہند کے لاتعداد رسالوں میں میری سینکڑوں کی تعداد میں کہانیاں اور مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہوئے۔

وہ دور بہت اچھا تھا۔ تحریریں بھی شائع ہوتی تھیں۔ اعزازی رسالے اور اعزازیہ بھی ملتا تھا۔

آج کے دور میں لاہور سے شائع ہونے والے رسالہ الف نگر کی انتظامیہ اپنے انعام یافتہ لکھاریوں کو پرکشش نقد انعام سے نوازتی ہے اور رسالہ بھی ہر ماہ ملتا ہے۔ آج سے 13 برس پہلے مجھے اپنا رسالہ چھاپنے کا خیال آیا۔

ماہ نامہ رسالہ آج کل کے مہنگائی کے دور میں منظر عام پر لانا بہت مشکل کام ہے۔ رسالے کا نام ''بچوں کا پرستان'' رکھا اور اسے کتابی سلسلہ کے طور پر چھاپنا شروع کیا۔ ماشا اللہ تیرہ برس سے رسالہ چھپ کر منظر عام پر آ رہا ہے۔ یہ سب رب العالمین کی خصوصی مہربانی سے ہو رہا ہے۔ اس نے عزت دی ہوئی ہے۔

باغ: آپ کے والدین نے آپ کو ادبی میدان میں آگے بڑھنے میں کس طرح تعاون کیا؟

جواب: میرے والد محترم کا ادب سے گہرا تعلق تھا۔ میں رسائل اور کتب بینی کا مطالعہ کرتا تھا تو وہ مجھے نثر نگاری اور شعرو شاعری کے متعلق بہت کچھ سکھاتے۔ والدہ محترمہ نے میری مذہبی تعلیم مکمل کروائی۔ میں ماشاءاللہ اپنی 78 سالہ زندگی میں کئی بار قرآن مجید فرقان حمید کی تلاوت کر چکا ہوں۔

باغ: آپ کی اب تک کتنی کتب/تحریریں منظر عام پر آ چکی ہیں؟

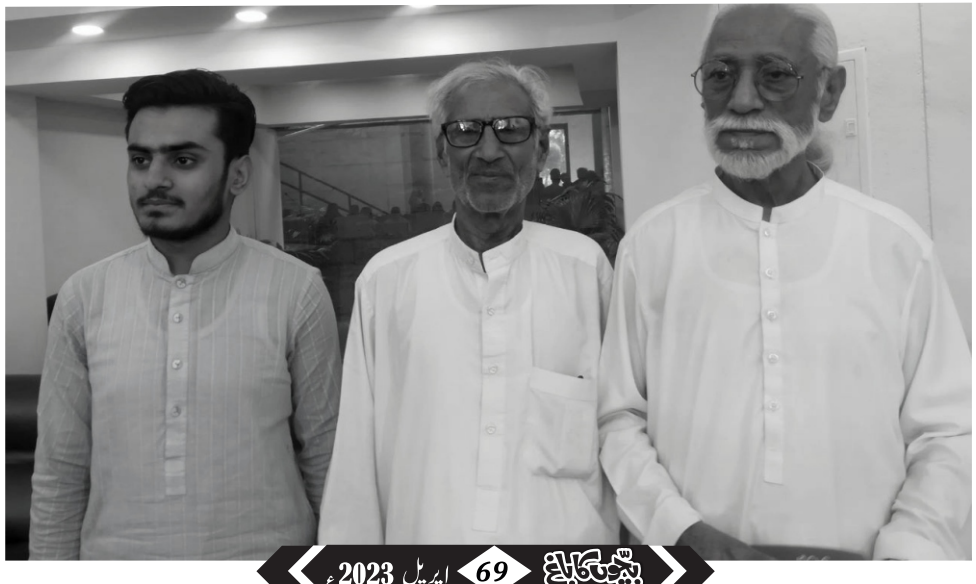

جواب: تحریروں کی تعداد تو سینکڑوں میں ہے۔ اردو بازار کے مختلف پبلشروں نے میری مختلف موضوعات پر بیس کتابیں شائع کی ہیں۔

باغ: آج کن موضوعات پر ادب اطفال میں لکھنا بے حد ضروری ہو چکا ہے؟

جواب: موضوع بہت ہیں۔ مذہبی، اسلامی، مافوق الفطرت، سائنسی، ناول نگاری، اپنی تحریر میں اصلاحی پہلو کو مدنظر رکھنا چاہیے ورنہ ادب کی خدمت کیسے ہو گی؟ تحریروں سے معاشرے کا بگاڑ ختم ہونا چاہیے۔

باغ: آپ کو کسی بھی مدیر سے سب سے بڑا شکوہ کیا رہا ہے؟

جواب: مجھے رسالوں کے کسی مدیر سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ سب میرا احترام کرتے ہیں۔ تحریروں کو جگہ دیتے ہیں۔ پرکشش معاوضوں سے نوازتے ہیں تو ان سے بڑا شکوہ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

باغ: آپ کا بطور مدیر کام کرنے کا تجربہ کیسا رہا ہے؟ کچھ اپنے تجربات سے آگاہ کیجیے!

جواب: کسی رسالے کے مدیر کو کام کرتے ہوئے اہم ذمہ داریوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ میں اپنے رسالے کا مدیر ہوں۔ میرے تجربات میں تحریروں کے حوالے سے لکھاری کی ناقابل اشاعت چیز کو اصلاح کا پہلو دکھاتا ہوں تو وہ برا نہیں مناتا۔ خوشی کا اظہار کرتا ہے۔

باغ: آپ کے خیال میں ایک لکھاری لکھنا کیوں چھوڑ دیتا ہے اور گمنامی میں چلا جاتا ہے؟

جواب: اس کی بہت سی وجوہات ہیں لکھاری مطالعہ نہیں

کرتا۔ اصلاح نہیں لیتا۔ اپنی من مانی کرتا ہے۔ دوسری گھریلو مصروفیات اور سرکاری کام آڑے آنے کی وجہ سے ادبی کام سے توجہ ہٹ جانے کی وجہ سے پردہ پوش ہو جاتا ہے۔

باغ: آپ کی نظر میں ایک لکھاری/ادیب میں کن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے؟

جواب: ادب کی خدمت کرنا ادیب کی شخصیت کو ادبی دنیا میں متاثر کرتا ہے۔ ادیب میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کی خصوصیات ہونی چاہیے۔ اس میدان میں اپنی صلاحیت کو منوانے کے لیے ادب شناس ہونا بہت ضروری ہے۔

باغ: آپ کے خیال میں کس طرح سے بچوں کو رسائل و جرائد اور کتب بینی کی جانب مائل کیا جا سکتا ہے؟

جواب: آج کل کے بچوں کو موبائل فون نے رسالوں اور کتابوں سے بہت دور کر دیا ہے۔ اس میں سب سے زیادہ قصور والدین کا ہے۔ فیس بک سے انہیں بہت کچھ مل جاتا ہے۔ ان کے ذہنوں میں سرپرستوں کی توجہ مبذول کرائی

جائے تو ان کو رسالوں اور کتابوں کی طرف ضرور مائل کیا جا سکتا ہے۔ گھر کے والدین ان پر خصوصی توجہ دیں۔

باغ: آپ کے خیال میں کوئی مخصوص کردار تخلیق کر کے لکھاری کو اپنی الگ پہچان بنوانی چاہیے؟

جواب: رسالوں میں لکھاریوں نے اپنی تحریروں میں مخصوص کردار واقعی تخلیق کیے ہوئے ہیں لیکن ان میں اصلاحی پہلو بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے اس تخلیقی کردار سے ایسا کام کروانا چاہیے۔ جس سے لکھاری کی قابلیت سے اس کی تحریر کو تقویت ملے ورنہ ایسا کردار تخلیق کرنے کا کیا فائدہ۔ لکھاری کو اپنی توجہ اس طرف مرکوز کرنی چاہیے۔

باغ: آپ کے خیال میں ادب اطفال میں انفرادیت کے حوالے سے نوجوان لکھاریوں کو کام کرنا چاہیے؟

جواب: بیشک ایسا ہونا چاہیے۔ بچوں کو اس طرف راغب کرنے کے لیے ماحول بنیادی چیز ہے۔ مطالعے پر دھیان دینے سے لکھنے والوں میں انفرادیت پیدا ہوگی۔

باغ: آج کے ادب اطفال میں کن لکھاریوں کے کام کو آپ بے حد پسند کرتے ہیں؟

جواب: نذیر انبالوی، محمد فہیم عالم، ڈاکٹر طارق ریاض، تسنیم جعفری، محمد شعیب مرزا۔ احمد عدنان طارق، احمد نعمان شیخ، علی عمران ممتاز اور منصور احمد بٹ۔

باغ: اچھی کہانی یا نظم کی آپ کیسے تعریف کریں گے؟

جواب: کہانی با مقصد ہونی چاہیے۔ اخلاق کا پہلو نمایاں ہو۔ موجودہ معاشرے اور بچوں کے بگاڑ کو سنوارنے والی ہو تو اس کی تعریف کرنا حق بنتا ہے۔ شعر و شاعری میں توازن اور اوزان برابر ہوں تو وہ تعریف کے زمرے میں آسکتی ہے۔

باغ: لکھاریوں کو معاوضے یا اعزازی شمارے دینے کے حوالے سے کیا رائے رکھتے ہیں؟

جواب: لکھاریوں کو معیاری تحریر پر معاوضہ ملنا چاہیے۔ ان کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اعزازی پرچہ بھی ان کو ارسال کرنا چاہیے۔ ہم بھی عرصہ تیرہ برس سے رسالہ ''بچوں کا پرستان'' میں معیاری ادب تخلیق کرنے والوں کو نقد انعامات بھی دیتے ہیں اور رسالہ بھی بھجواتے ہیں۔

باغ: اپنے قارئین کے نام کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب: بچے من کے سچے ہوتے ہیں۔ ان کو پڑھانے کے لیے ہمیں معیاری ادب میسر کرنا ہوگا۔ لکھنے والے شاعروں اور ادیبوں کو اپنی تحریروں کے ذریعے بچوں کا دھیان موبائل فون سے ہٹانا ہوگا اور انہیں معاشرے میں اچھا شہری بننے کی طرف لانا چاہیے۔ میرا پیغام با مقصد باتوں کی طرف ہے۔ ان باتوں پر عمل پیرا ہونا بے حد ضروری ہے۔ بہترین ادب مستقبل کے ننھے معماروں کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گا۔

....❁....

امریکہ

استاد (شاگرد سے): ''یہ بتاؤ! امریکہ زیادہ دور ہے یا چاند؟''

شاگرد: ''امریکہ۔''

استاد (حیرت سے): ''وہ کیسے؟''

شاگرد: ''سر! چاند کو تو ہم دیکھ سکتے ہیں لیکن امریکہ ہمیں نظر نہیں آتا۔''

❁

ہنسی کا باغ

ایک صاحب کی بینائی کمزور ہو رہی تھی۔ وہ ڈاکٹر کے پاس گیا۔ ڈاکٹر نے آنکھوں کا معائنہ کرنے کے بعد کہا:

''ابھی عینک نہ لگوائیں۔ آپ گاجریں کھانا شروع کر دیں۔''

''مگر گاجریں تو میرا خرگوش بہت رغبت سے کھاتا ہے۔ یہ عجیب علاج ہے۔''

''کیا آپ نے اپنے خرگوش کو عینک لگاتے دیکھا؟''

❁

بیٹا (ماں سے): ''امی! میں دریا میں نہانے کیوں نہیں جا سکتا؟''

ماں: ''کیوں کہ دریا میں پانی بہت گہرا ہوتا ہے۔''

بیٹا: ''ابو بھی تو وہیں نہانے جاتے ہیں۔''

ماں: ''بیٹا! تمھارے ابو کا بیمہ ہو چکا ہے۔''

❁

لڑکا لائبریرین سے: ''(مجھے کوئی اچھی سی کتاب دے دیں۔''

لائبریرین: ''آپ کیسی کتاب پڑھنا پسند کریں گے؟ ہلکی پھلکی یا غور و فکر والی؟''

لڑکا: ''کتاب ہلکی ہو یا بھاری، بس مجھے دے دیں، باہر میری کار کھڑی ہے، میں اس میں رکھ کر لے جاؤں گا۔''

❁

فٹ بال کے دو کھلاڑی باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا:

''میں نے ایک دن فٹ بال اتنی اونچی پھینکی کہ پورے دو دن کے بعد واپس آئی؟''

دوسرا دوست شیخی بگاڑتے ہوئے: ''ارے یار! یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے ایک دن فٹ بال اتنی اونچی پھینکی کہ وہ ایک ہفتے کے بعد واپس آئی۔ اس کے ساتھ ایک چٹ بھی تھی جس پر لکھا تھا کہ یہ فٹ بال آئندہ چاند پر نہ آئے ورنہ واپس نہیں کی جائے گی۔''

❁

ایک آدمی دوسرے آدمی سے: ''میاں! آپ کا چھوٹا بچہ بہت بری گالیاں دیتا ہے۔''

دوسرا شخص: ''کوئی بات نہیں، جب وہ بڑا ہو جائے گا تو اچھی اچھی گالیاں دے گا۔''

❁

ماں (بیٹے سے): ''اگر تم اچھے نمبروں سے پاس ہو گئے تو میں تمھیں نیا پین خرید دوں گی۔''

بیٹا: ''اگر میں فیل ہو گیا تو؟''

ماں (غصے سے): ''تو میں تمھیں جوتا خرید دوں گی سر پر مارنے کے لیے۔''

بیٹا: ''بس امی جان! فیصلہ ہو گیا مجھے جوتا چاہیے کیوں کہ پرانا جوتا پھٹ گیا ہے۔''

....❁....

سائنس انکوائری

نیر ابدالی

ہوا کو متحرک کرنے والی قوت

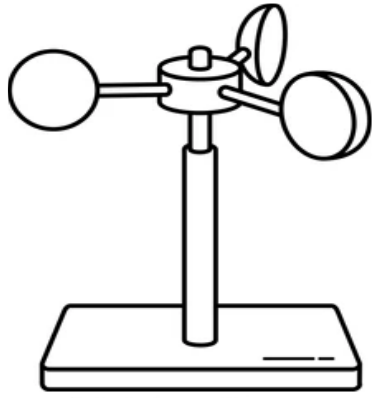

ہوا مختلف گیسوں کا مجموعہ ہے جو ایک غلاف کی طرح کرۂ ارض پر ہر سمت پھیلا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں سورج توانائی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ دن کے وقت سورج کی کرنیں زمین کی سطح اور سمندر کے پانی کو گرم کر دیتی ہیں اس کے نتیجے میں قریب کی ہوا گرم ہو جاتی ہے اور سائنس کے اصول کے تحت گرم ہو کر اوپر اٹھ جاتی ہے۔ اس ہوا کی جگہ لینے کے لیے ٹھنڈی ہوا آ جاتی ہے جو تھوڑی دیر میں گرم ہو کر خود بھی اوپر چلی جاتی ہے اور یوں یہ سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔ ہوا کی طاقت ناپنے والے آلے کو انیمومیٹر کہتے ہیں اور ونڈ وین نامی آلے سے اس کی سمت کا درست تصور کیا جاتا ہے۔

❁

آسمان نیلا کیوں نظر آتا ہے؟

ہم دن کے وقت نظر اوپر اٹھائیں تو ہمیں دور تک پھیلا ہوا آسمان نیلا نظر آتا ہے۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ دراصل آسمان نیلے رنگ کا نہیں ہے۔ اگر ہم زمین سے بہت زیادہ اوپر جا کر آسمان کو دیکھیں تو آسمان ہمیں کالے رنگ کا نظر آئے گا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری زمین مختلف گیسوں کے بنے ہوئے ایک غلاف میں لپٹی ہوئی ہے۔ اس غلاف کی جو ہوا ہے اسے ہم فضا کہتے ہیں۔ یہ فضا جن گیسوں سے مل کر بنی ہے اس میں آکسیجن، نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کے علاوہ پانی اور گرد کے چھوٹے چھوٹے ذرات بھی شامل ہیں۔ جب سورج کی سفید روشنی فضا میں داخل ہوتی ہے تو سات مختلف رنگوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہ رنگ سرخ، نارنجی، زرد، نیلا، اودا اور بنفشی ہوتے ہیں۔ ان تمام رنگوں میں سے نیلا رنگ سب سے واضح ہوتا ہے اس لیے آسمان ہمیں نیلے رنگ کا نظر آتا ہے۔

❁

گرگٹ

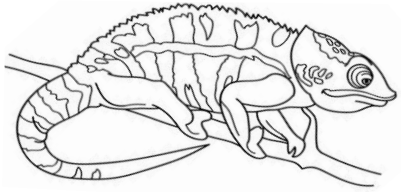

رنگ بدلنے والے مشہور جانور گرگٹ کی آنکھیں عام جانوروں کی طرح نہیں ہوتیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک پردہ سا ہوتا ہے جس میں ایک سوراخ ہوتا ہے اور وہ اس میں سے دیکھتا ہے آنکھیں آگے پیچھے موڑی جا سکتی ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آنکھ آگے مڑی ہوتی ہے اور دوسری پیچھے یعنی یہ جانور بیک وقت آگے بھی اور پیچھے بھی دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ایسی نظر کو Monocular Vision کہتے ہیں۔

❁

پٹرول آگ کیوں پکڑتا ہے؟

پٹرول اور دیگر جلنے والے مائع جات مثلاً پیرافن اور نائٹرو گلیسرین کے سالمے ہوا میں موجود آکسیجن کے ساتھ مل کے ایک ایسا مرکب بناتے ہیں جو جلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حرارت اور تپش سے یہ سالمے ایک کیمیائی ردعمل کی صورت میں اپنی حرکت کو تیز تر کر دیتے ہیں۔ اس تیز حرکت کے باعث سالمے آپس میں بہت زیادہ تیز رفتاری سے ٹکراتے ہیں۔ اس عمل میں توانائی حرارت کی شکل میں خارج ہوتی ہے اور مائع بخارات میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور یوں پٹرول جلنے لگتا ہے۔

❁

بارش کیسے ناپی جاتی ہے؟

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ آج فلاں جگہ دو یا تین سینٹی میٹر بارش ہوئی یا فلاح جگہ سال بھر میں چودہ انچ بارش ہوئی ہے۔ بارش ایک مخصوص آلے سے ناپی جاتی ہے جس کو بارش پیما کہتے ہیں۔ یہ آلہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک تو بوتل ہوتی ہے جس کے ہر سینٹی میٹر پر نشان لگے ہوتے ہیں اور دوسری ایک چوڑے منہ کی قیف جس کو عام طور پر کپی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قیف بالکل اسی طرح کی ہوتی ہے جیسی کہ ہم گھروں میں چولہے میں تیل ڈالنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو اسی قیف کو بوتل کے منہ پر لگا کر کھلے آسمان کے نیچے رکھ دیتے ہیں۔ بارش کا پانی قیف میں سے ہو کر بوتل میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ بارش ختم ہونے کے بعد دیکھتے ہیں کہ بوتل میں کتنے سینٹی میٹر پانی جمع ہو گیا۔ یوں پتا چل جاتا ہے کہ آج اتنے گھنٹوں میں اتنے سینٹی میٹر بارش ہوئی۔

....❁....

تبصرہ کتاب	''خرگوش کا پراسرار مہمان''	مصنف: جاوید بسام مبصر: محمد فیصل علی

بچہ جب اس دنیا میں شعور کی نگاہ سے دیکھنا شروع کرتا ہے تو اس کے لیے بہت سی چیزیں حیران کن ہوتی ہیں۔ وہ ان چیزوں کو دیکھ کر ان کے بارے میں سوالات کرتا ہے اور ان کے بارے میں جاننے کا شدت سے متمنی ہوتا ہے۔

انسانوں کے ساتھ تو بچہ پہلے ہی دن سے منسلک ہوتا ہے، اس لیے وہ انہیں کافی حد تک سمجھتا اور جانتا ہے لیکن جانور، چرند، پرند، جمادات اور نباتات اس کے لیے نئی چیزیں ہوتی ہیں اور وہ ان کے بارے میں پوچھ کر اپنی حس تجسّس کو تسکین پہنچاتا ہے۔

کہانی سننا بچے کو بے حد پسند ہوتا ہے۔ کہانیوں سے بچے واقعات سے آگاہ ہوتے ہیں اور اپنے ذہن میں ان واقعات کی تخیلاتی تصویر بنا کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کہانیوں سے بچوں کی سوجھ بوجھ بڑھتی ہے کیوں کہ اس طرح ان کے تخیل کی پرورش و پرداخت ہوتی ہے اور ان کے ذہن کی نشوونما ہوتی ہے۔ پھر عام انسانی کہانیوں اور دیگر جان داروں کی کہانیوں میں بچے کی دل چسپی کا فرق واضح ہے۔ جیسے بچہ

دیگر جان داروں میں زیادہ دل چسپی لیتا ہے ویسے ہی وہ ان کی کہانیوں میں دل چسپی لیتا ہے۔ جب وہ کہانیوں میں جانوروں، پودوں اور پرندوں کو آپس میں بولتے دیکھتا ہے تو یہ اس کے لیے ایک نئی اور نرالی دنیا ہوتی ہے اور وہ اس کہانی کو عام کہانیوں سے زیادہ دل چسپی سے سنتا ہے اور اس کہانی میں چھپے پیغام کو زیادہ اہمیت سے اپنے دل و دماغ میں جگہ دیتا ہے۔

ایسی کہانیوں کو تمثیلی کہانیاں کہا جاتا ہے۔ تمثیل نگاری صرف جانوروں کی کہانیوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دنیا کی ہر چیز کو تمثیل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ تمثیل عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے مثال دینا۔ گویا تمثیل نگاری میں کسی بات کو سمجھانے کے لیے مثال کا سہارا لیا جاتا ہے۔ تمثیلی کہانی کی مختصر تعریف یہ ہے:

''ایک ایسی بیانیہ کہانی جس کی دو سطحیں ہوتی ہیں۔ ایک بالائی اور دوسری زیریں۔ بالائی سطح کہانی کو پیش کرتی ہے جبکہ زیریں سطح کہانی کے اخلاقی سبق کو پیش کرتی ہے۔ گویا ہم اسے کہانی کے مجازی اور حقیقی حصّے کہہ سکتے ہیں۔ کہانی کی بالائی سطح مجازی پہلو لیے ہوئے ہوتی ہے اور زیریں سطح میں حقیقی پہلو پنہاں ہوتا ہے۔''

جاوید بسام دور حاضر کے نمایاں ادیبِ اطفال ہیں۔ آپ کا پورا نام محمد جاوید ہے۔ آپ ۴ جولائی ۱۹۶۸ کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ پیشے کے لحاظ سے معلم ہیں۔ ۲۰۰۴ء سے آپ نے بچوں کے لیے لکھنا شروع کیا۔ اس سے پہلے آپ ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے ادبی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ان کی درج ذیل کتب شائع ہو چکی ہیں:

۱۔ میاں بلاقی کے کارنامے
۲۔ لکڑی کے سپاہی
۳۔ خرگوش کا پراسرار مہمان

ان کی کہانیاں ملک بھر کے رسائل میں چھپتی ہیں اور بے حد پسند کی جاتی ہیں۔ آپ طبع زاد لکھنے کے ساتھ ساتھ انگریزی ادب سے تراجم بھی کر رہے ہیں۔

پیش نظر کتاب ''خرگوش کا پراسرار مہمان'' چالاک خرگوش کے کارناموں پر مشتمل کتاب ہے۔ چالاک خرگوش بچوں کے ادب کا ایک مقبول کردار ہے۔ اس سے پہلے اس کردار پر کرشن چندر اور معراج نے بھی بہت خوب لکھا ہے۔ کرشن چندر کا ایک ناول خرگوش کا سپنا اسی چالاک خرگوش کے کردار پر ہے۔

جاوید بسام نے اس خوب صورت کردار کو اپنی طبع زاد کہانیوں میں از سرِ نو زندہ کیا ہے اور اس خرگوش کے نئے کارنامے ہمارے سامنے پیش کیے ہیں۔ میں نے جب یہ مسودہ پڑھا تھا تو میرے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا:

''چالاک خرگوش کو پھر سے خوش آمدید''

میں نے اس مجموعے میں شامل تمام کہانیاں پڑھیں۔ یہ پچیس کہانیاں ہیں۔ یہ کہانیاں نہایت دل چسپ ہیں۔ ان میں بچوں کو وہ تمام تفریحی لوازمات ملیں گے جو وہ چاہتے ہیں، مثلاً جنگلی مناظر، خرگوش کی اپنے دشمنوں سے ذہنی و جسمانی لڑائی، خرگوش کی اپنے دوستوں سے نوک جھونک، خرگوش کی دل چسپ ترکیبیں، نت نئے پینترے اور ہنگامہ خیز بھاگ دوڑ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کتاب بچوں کی اردو بھی بہتر بنائے گی۔ امید ہے یہ کتاب بچوں اور بڑوں سب کو بے حد پسند آئے گی۔

....❀....

دوسری اور آخری قسط

تہنیت افتخار۔ لاہور

75 سالہ بوڑھی داستان

باجی حسن ایل ایل بی کرنا چاہتا ہے لاء کالج سے۔ اکرام نے باجی کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ باجی خون آپ کا نہیں ہے لیکن تربیت آپ کی ہی نظر آتی ہے دونوں میں۔ آپ کی کتنی خواہش تھی کہ حمزہ کو بڑے ہو کر وکالت کی ڈگری حاصل کروائیں گی۔ آج حسن نے خود فرمائش کی ہے۔

''ماشاءاللہ! تم اس کا داخلہ کروا دو میری دعائیں ان دونوں کے ساتھ ہیں اللہ ان دونوں کو کامیاب کرے۔ آمین!''

❁

''باؤ جی!'' حمزہ نے باؤ جی کو جوس کی فیکٹری سے واپس آتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا! بول کیا بات ہے؟''

''باؤ جی! میں قانون کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ لاء کالج سے ایل ایل بی کرنے کا ارادہ ہے۔ فارم جمع کروا دیے ہیں۔ آپ میرے لیے دعا کر دیجیے، داخلہ مل جائے۔''

''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے پتر! ساری دعائیں تیرے ہی واسطے ہیں۔ تو کامیاب ہو گیا ہے. جا دیکھیں تیرا نام ضرور آ جائے گا، فکر نہ کر۔'' انھوں نے حمزہ کو دلاسہ دیتے ہوئے دعا دی۔

''باؤ جی! میں چاہتا ہوں کہ اپنے ملک کے ان لوگوں کے لیے لڑوں جو بے آسرا ہیں، جن کی مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ میں ان کے لیے کوشش کروں گا۔'' حمزہ نے جوش وولولے کے ساتھ کہا۔

''ہاں بیٹا! ایمان داری سے کام کرنا اللہ تیرا حامی وناصر ہو۔''

''جی باؤ جی!'' حمزہ نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ

لوگ گھر کی طرف چل پڑے۔

❁

ستمبر 1971ء کی جنگ کا قصہ ہے پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ ایک فوجی محاذ آرائی تھی جو مشرقی پاکستان میں 3 دسمبر 1971ء سے 16 دسمبر 1971ء تک پیش آئی تھی۔

باؤ جی اور حمزہ جب خبریں سنتے تو بے حد اداس ہو جاتے اور اپنے مشرقی بھائیوں کے لیے دعا کرتے۔ ساتھ ہی ساتھ پاکستان کی سلامتی کے لیے بھی دعا گو ہوتے۔ اس بار دشمن نے ہمیں بیرونی جنگ کے بجائے اندرونی طور پر نقصان پہنچایا تھا۔ پاکستان کے مشرقی اور مغربی ونگ کے مابین جغرافیائی فاصلہ بہت وسیع تھا۔ مشرقی پاکستان 1600 کلومیٹر دور واقع ہے۔ جو بنگالیوں اور دیگر پاکستانی ثقافتوں کے ضم کرنے میں بڑی حد تک رکاوٹ بنا تھا۔ 1969ء میں، صدر یحییٰ خان نے پہلے عام انتخابات کا اعلان کیا۔

حکومت پاکستان کے اقدامات کے باعث بنگالی علیحدگی پسندوں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان کے مشرقی حصے میں علیحدگی کی تحریک مکتی باہنی شروع کی۔ جو بعد میں ایک تشدد پسند ''گوریلا فورس'' میں تبدیل ہو گئی۔ بھارت نے اس سنہری موقع کو ضائع نہیں ہونے دیا اور اپنی انسانی ہمدردی ظاہر کی اور پاکستان کی اندرونی خانہ جنگی کو اہتمام پزیر اور مکتی باہنی کی کھل کر سیاسی وفوجی حمایت شروع کر دی۔ اسی دوران بھارتی انٹیلیجنس نے مشرقی پاکستان کے دفاعی نظام کا بغور معائنہ کیا۔ اس وقت بھارتی فوج کو پاکستانی فوج کے مقابلے میں کئی آسانیاں دستیاب تھیں جن میں زیادہ تعداد، زیادہ اسلحہ، مشرقی پاکستان کے مغربی پاکستان سے برے تعلقات شامل تھے۔ اس کے علاوہ پاکستانی فوج کو مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) سے مغربی پاکستان (جواب پاکستان ہے۔) تک جانے کے لیے بہت لمبا سفر طے کرنا پڑتا تھا۔ پاکستان کے پاس ڈھاکہ کے قریب موجود صرف ایک ایئر فیلڈ موجود تھی۔ جس کے ذریعے پاکستان کے 14 سیبر جہاز لڑنے گئے۔ جبکہ بھارت کے پاس 5 ایئر فیلڈ موجود تھے۔ جن کے ذریعے بھارت نے اپنے 11 لڑاکا طیارے جنگ میں اتارے جن میں 4 ہنٹر ایک SU-7 اور 3 عدد Gnat اور 3 عدد MIG-21 طیارے شامل تھے لیکن سب سے زیادہ نقصان مشرقی پاکستان سے بددل ہو جانے کی وجہ سے ہوا۔ مشرقی پاکستان کی افواج بھارت کے ساتھ اتحاد کرنا چاہ رہے تھے اس لیے انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ ان کے ہتھیار ڈال دینے کی وجہ سے بھارت نے 93000 پاکستانی فوجیوں کو قیدی بنا لیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ کے اختتام پر نوے ہزار پاکستانی فوجی ہتھیار ڈال کر بھارتی قید میں جا چکے تھے۔ ان کی زندگی کے لیے پاکستان کو امریکا نے اور چین نے جنگ بندی کے لیے کہا۔ جب پاکستان نے جنگ بندی پر آمادگی ظاہر کی تو پاکستان کے فوجی آفسر سے ایک امریکی ساختہ دستاویز پر دستخط کروائے گئے۔ جس کو بنیاد بنا کر بھارت نے یہ ظاہر کیا کہ پاکستان نے بھارت کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور دستخط کر کے اپنی ہار تسلیم کر لی حالانکہ پاکستان کے جنگ بندی پر عمل کرنے کی وجہ سے پاکستانی علاقوں کو واپس کر دیا گیا تھا لیکن مشرقی پاکستان نے واپسی کے بجائے ایک نئے ملک کے طور پر آزاد ہونے کی ٹھان لی۔ اس طرح مشرقی پاکستان دنیا کے نقشے پر بنگلہ دیش کے نام سے ایک آزاد ملک کی حیثیت سے نمودار ہو چکا تھا۔ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

اس کے بعد ملک میں ہر کوئی اپنے انداز سے چہ مگوئیاں کرتا تھا۔ کوئی فوج کو نااہل کہتا تو کوئی انتخابات کو دوش دیتا۔ کسی کو بھارت کی چالاکیاں نظر آتیں تو کوئی اپنے مشرقی بھائیوں کی مظلومیت کو روتا۔ الغرض جو بھی تھا مگر اب پاکستان کی یہ اسلامی ریاست دو حصوں میں بٹ چکی تھی جس کا غم ہمیشہ رہنا تھا۔

اسی سال حمزہ اور حسن دونوں اپنی ڈگری مکمل کر کے وکیل کے عہدے پر فائز ہو چکے تھے۔ ایک ہی شہر کے، ایک ہی کالج کے اور ایک ہی ماں کے دو بیٹے، ایک ہی جگہ ہوتے ہوئے کبھی ایک دوسرے سے مل نہ سکے۔ فرق بس یہ تھا کہ ایک سگا بیٹا تھا اور ایک

سوتیلا لیکن دونوں کے شوق میں ان کی ماں کی دعائیں شامل تھیں۔

اور یہی وہ سال تھا جب باجی اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔ سن 1971 کے اکتوبر کا مہینہ تھا۔ باجی رات سوئی اور صبح اٹھ نہ سکی۔ اس روز حسن اور عبداللہ بھی خوب روئے۔ انھوں نے باجی کو ہمیشہ اپنی ماں سمجھا تھا۔ ماں کی طرح تو وہ میری بھی تھی۔ تین سال قبل ہی بڑی چاؤ سے باجی نے میری شادی کروائی تھی۔ اب تو میری بیٹی بھی دو سال کی ہوگئی تھی۔ وہ بھی باجی سے بہت لگاؤ رکھتی تھی۔ کئی دن تک وہ باجی کے کمرے میں جا کر کھڑی ہو جاتی اور دیکھتی رہتی۔ باجی کم عمری میں ہی اس دنیا سے چلی گئی۔ شائد ان کے دل میں دکھ زیادہ جمع ہو گئے تھے۔

حسن اور عبداللہ اب خاموش خاموش رہتے تھے۔ دادا جی بھی اب بستر پر بیٹھے تسبیح پڑھتے رہتے۔ انھوں نے بھی باجی کو بیٹی کی طرح سمجھا تھا اور یوں ہی شفقت سے انھیں سمجھایا بھی کرتے تھے۔ اکثر ان کی آنکھیں بھی اب نم رہتیں۔

گھر کی ذمہ داری اب میری بیوی پر آ گئی تھی۔ وہ بہت نیک دل خاتون تھی کبھی شکایت نہ کرتی اور سب کام خاموشی سے کرتی رہتی تھی۔ جب تک باجی تھی تو اسے باجی کا بھی بہت آسرا تھا مگر اب وہ خود کو تنہا محسوس کرتی تھی۔

دن یونہی پر لگا کر اڑ رہے تھے۔ ایک دن حسن گھر آتے ہی مجھے پکارنے لگا۔ اکرم ماموں! اکرم ماموں!

میں گھبرا گیا کہ پتا نہیں کیا بات ہے۔ اس کی آنکھیں کچھ نم اور چہرے پر خوشی تھی میں نے کچھ اطمینان محسوس کیا اور پوچھا کہ کیا وجہ ہے؟

''اکرم ماموں! باہر آئیں آپ کو کچھ دکھانا ہے۔''

''کیا دکھانا ہے حسن؟''

وہ دادا جی کی دکان سے واپس آیا عبداللہ جو اندر کمرے میں تھا باہر نکل کر بولا: ''عبداللہ تم بھی آؤ!''

''حسن! بتاؤ تو سہی، کیا ہے باہر؟'' میں نے حیرت سے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حسن آگے بڑھا اور میرا ہاتھ تھام کر باہر لے آیا۔ عبداللہ بھی ساتھ ساتھ باہر آ گیا۔

باہر ایک نوجوان کھڑا تھا۔ کچھ دیر کو میں مبہوت ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں اور چہرہ مجھ سے مشابہ تھیں۔

''السلام علیکم!! میں نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''وعلیکم السلام!'' اس نے مصافحہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اکرم ماموں آپ نے پہنچانا اسے۔''

''نہیں حسن سیدھی طرح بتاؤ کون ہے یہ؟''

اب عبداللہ اس شخص سے مصافحہ کر رہا تھا۔

''حمزہ....'' حسن نے چہکتی ہوئی آواز کے ساتھ کہا۔

ایک لمحہ کو میرے کانوں نے خود پر یقین کرنا چھوڑ دیا۔ پہلا خیال مجھے میرے حمزہ کا آیا پھر سوچا کہ شاید حسن کا کوئی دوست ہے۔ حمزہ...

''جی ماموں! حمزہ ہے یہ، ہمارا بھائی۔''

''بھائی.... کیا کہہ رہے ہو حسن؟'' اب کی بار عبداللہ بولا۔

حمزہ سامنے کھڑا نم آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

''جی میں حمزہ ہوں۔'' اس بار حمزہ بولا اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

''چلو اندر چل کر بیٹھ کر بات کرتے ہیں!'' میں حمزہ کا ہاتھ تھامے اسے اندر دادا جی کے پاس لے آیا۔

دادا جی نے بھی کن انکھیوں سے اسے دیکھا شاید وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ کون ہے۔ مگر کشمکش میں تھے۔ حسن نے کہا دادا جی یہ حمزہ ہے۔ حمزہ نے دادا جی کو سلام کیا اور سب انھی کے پاس بیٹھ گئے۔

اب حسن بولنا شروع ہوا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ آج ایک نیا وکیل آئے گا۔ جب بھی کوئی نیا وکیل آتا ہے تو ہم اس کے اعزاز میں پارٹی رکھتے ہیں۔ اس روز تو میں نہ جا سکا کہ گھر میں کچھ کام تھا مگر آج جب گیا تو سوچا کہ اس نئے وکیل سے ملاقات کر لی جائے۔ پھر میری ملاقات حمزہ سے ہوئی۔ حمزہ کو دیکھتے ہی پہلا خیال مجھے ماموں کا آیا۔ چہرہ اور آنکھیں ماموں سے مشابہت رکھتی تھیں۔

ایک امید کے ساتھ میں نے اس سے نام پوچھا تو اس نے اپنا نام حمزہ بتایا۔

مجھے اب بھی کشمکش تھی پھر اس کے گھر والوں کے بارے میں پوچھا۔ یوں میرے بار بار سوالات کرنے سے حمزہ کچھ پریشان ہو گیا اور مجھ سے سوالات کرنے کا پوچھا۔

جس پر میں نے اسے اماں کا سارا قصہ سنا دیا۔ پھر حمزہ نے بھی اپنا قصہ سنایا اور بتایا کہ کس طرح وہ باؤ جی کو ملا اور اب ان کے ساتھ رہتا ہے۔

یہ سب سنتے ہی میری اور حمزہ کی آنکھیں نم ہو چکی تھی۔ میں اٹھا اور حمزہ کو پکارتے ہی سینے سے لگا لیا۔

''میرا بیٹا!'' حمزہ نے بھی مجھے جھینپ لیا۔ یقیناً وہ بھی ہماری طرح متلاشی تھا۔

''ماں کہاں ہے؟ حمزہ مجھ سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔

''میں نے حسن سے بھی پوچھا مگر اس نے کہا کہ پہلے گھر چلو پھر بتاؤں گا۔''

''بتائیں ماں کیسی ہیں؟ کہاں ہیں؟ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔'' حمزہ نے معصوم بچے کی طرح فریاد کی۔

اس بار میں نے پھر سے اسے گلے لگا لیا۔ اپنے آنسوؤں کو تھاما اور بڑی مشکل سے بولا۔

''اب وہ نہیں رہیں اس دنیا میں، وہ کوچ کر گئیں ہیں۔''

اس وقت حمزہ مجھ سے لپٹ کر خوب رویا۔ آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے۔ ہم سب لوگ اب رو رہے تھے۔ حسن اسے بتا رہا تھا کہ اماں کیسے اس کو سوچ کر رویا کرتی تھیں اور تمھارے ایمان کی حفاظت کی دعائیں کیا کرتی تھیں۔

''مجھے ان کی قبر پر لے جائیں۔'' حمزہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

ہم سب اب باجی کی قبر پر موجود تھے۔ حمزہ قبر کی مٹی اٹھاتا اور اسے سونگھتا۔ وہ بالکل بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ ہم نے اسے سہارا دیا۔ اس وقت تو میں خود اس کیفیت میں تھا کہ کچھ سمجھ نہ آتی تھی مگر حمزہ کو سنبھالنا بھی ضروری تھا۔

میں نے اس سے باؤ جی سے ملنے کی فرمائش کی۔ اس نے کہا کہ وہ کچھ دیر یہاں بیٹھے گا پھر چلیں گے۔

ہم سب وہاں دعا کرنے لگے۔ حمزہ بھی منہ میں کچھ پڑھتا جاتا تھا۔ کافی دیر تک وہ وہاں بیٹھا دعائیں مانگتا رہا پھر ہم لوگ اسے وہاں سے گھر لے آئے۔

کھانا کھلا کر اب ہم اس کے باؤ جی کی طرف جا رہے تھے۔ اسے بار بار باؤ جی کا خیال آ رہا تھا وہ کہتا جاتا کہ یقیناً وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔

جب ہم مطلوبہ گھر پہنچے تو میں قدرت کی رحمت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جس کے لیے ہم اتنے پریشان تھے اللہ پاک نے نا صرف اسے اسی شہر میں رکھا ہوا تھا بلکہ اسے رہائش کو ایک شاندار گھر بھی دیا ہوا تھا۔ ہم باؤ جی سے ملے وہ ہمیں بے حد پسند آئے۔ ان کو جب معلوم ہوا تو وہ بے حد روئے۔ ان کی کہانی سن کر میں اللہ کی قدرت کا اور قائل ہو گیا۔ واقعی ہم اللہ کے کاموں کو نہیں پہچان سکتے۔ رات کو ہم لوگ وہاں سے اس وعدے کے ساتھ واپس ہوئے کہ ایک دوسرے کے گھر ملاقات کے لیے آیا کریں گے۔

حسن اور حمزہ میں تو اسی روز سے گہری دوستی ہو گئی تھی۔ حمزہ اکثر اس سے اپنی ماں کے بارے میں پوچھتا تھا۔

وقت کی رفتار اپنی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ محمد ایوب خان ملکی عوام اور آنے والی نسلوں کے لیے کام کرنا چاہتے تھے۔ ان کے دور میں ان کا سارا دھیان ترقیاتی منصوبوں پر تھا۔ ملک میں ڈیم بن رہے تھے، دریائے کابل پر پشاور کے نزدیک وارسک ڈیم کا آغاز 27 جنوری 1961ء کو ہوا۔ جہلم میں میر پور آزاد کشمیر کے سنگم پر منگلا بند پر 8 مئی 1962ء کو کھدائی کا آغاز ہوا، جبکہ کوئٹہ سے بارہ میل دور کیچ بند کی کھدائی کا آغاز 17 نومبر 1963ء کو ہوا، منگلا کے افتتاح سے صرف 9 دن بعد 17 مئی 1962ء کو اسلام آباد میں راول ڈیم کا آغاز ہوا۔ اسی عرصے میں اسلام آباد میں ہی سمبلی ڈیم کی کھدائی شروع ہوئی، ہری پور کی تحصیل خانپور میں دریائے ہرو پر

خانپور ڈیم کی فزیبلٹی پر غور شروع ہوا اور ڈیم کا آغاز آگے چل کر 1968 میں ایوب خان کے دور اقتدار میں ہی ہوا۔

دنیا کا دوسرا بڑا اور کچا ہونے کی وجہ سے دنیا کا سب سے بڑا ڈیم جو دریائے سندھ پر بنایا گیا، تربیلہ ڈیم۔ جس پر کافی عرصہ سوچ بچار ہوئی اور پھر 4 نومبر 1968ء کو اس کی کھدائی کا آغاز کر دیا گیا تھا، مقصد پاکستان میں آنے والے وقتوں کے لیے کام جاری تھا۔

بھارت بخوبی آگاہ تھا کہ پاکستان ایٹمی ٹیکنالوجی کے میدان میں 1980ء کی دہائی میں ہی اتنا آگے نکل چکا ہے کہ اس کے لیے ایٹم بم بنانا کوئی مشکل نہ تھا۔ بھارت کے علاوہ یہ بات مغربی ممالک اور امریکہ کے علم میں بھی تھی۔ پاکستانی قیادت کی کامیاب پالیسی اور حکمتِ عملی کا اثر یہ ہوا کہ بھارت اپنی تمام تر فوجی طاقت کے باوجود اکتوبر 1987 میں پاکستان پر حملہ نہ کر سکا۔

پاکستان بغیر لڑے وہ جنگ جیت چکا تھا۔ اس وقت بھی ہم پاکستانیوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ رب نے یہ وطن تو عطا کر دیا تھا اب اس کی حفاظت بھی وہی کر رہا تھا۔ ہمارے بس میں تو صرف کوششیں تھیں اور وہ اس ملک کے مخلص بندے بخوبی انجام دے رہے تھے۔

اللہ پاک نے مجھے بھی تین بیٹوں سے نوازا۔ رب نے مجھے حسن، عبداللہ اور حمزہ تینوں بچوں کی شادی دیکھنا بھی نصیب فرمایا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حمزہ ہمیں یوں زندگی کے بیچ راہ میں مل جائے گا لیکن رب کے فیصلوں کو کون جانتا ہے۔ ہاں دکھ اس بات کا تھا کہ باجی اس سے نہ مل سکی اور شاید باجی کی زندگی میں حمزہ ملتا تو وہ یہ خوشی بھی برداشت نہ کر سکتی۔ اب تو آخرت میں ہی ملنے کی امید تھی۔

حسن نے تو وکالت جاری رکھی جبکہ حمزہ چھوڑ چکا تھا وہ بہت جذباتی واقع ہوا تھا۔ پھر باؤ جی کی طبیعت بھی خراب رہتی تھی تو جوس کی فیکٹری اسی نے سنبھالی ہوئی تھی۔ وہ ہر ہفتے مجھ سے ملنے آتا تھا۔ اللہ نے اسے بھی دو بیٹوں سے نوازا تھا۔

حسن، عبداللہ اور حمزہ تینوں کو جب میں ساتھ دیکھتا تو بہت خوش ہوتا تھا۔ البتہ اس عرصے میں دادا جی ہمیں چھوڑ گئے تھے۔ ہماری زندگی میں سب سے بڑا احسان انھی کا تھا۔ جنھوں نے ہمیں مشکل وقت میں نہ صرف جگہ دی بلکہ ایک خاندان کی طرح رکھا اور یونہی زندگی گزار کر گئے۔

انھوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اپنی زندگی کے اختتام تک تو ان دونوں کے ساتھ رہوں۔ واقعی ان کے اتنے احسان تھے ہم پر کہ اگر وہ نہ بھی کہتے تو میں کبھی ان دونوں بھائیوں کا ساتھ نہ چھوڑتا۔

14 اگست 2001ء کو جنرل پرویز مشرف نے قومی جانور، قومی پرندہ اور قومی درخت کا اعلان کیا تھا جو بالترتیب مارخور، چکور اور دیودار ہیں۔ قومی پھول یاسمین، چنبیلی کا فیصلہ تو 1961ء میں ہو گیا تھا۔ قومی کھیل ہاکی ہے لیکن سرپرستی کرکٹ کی ہی کرتے جا رہے تھے۔ جس کا افسوس کر سکتے نہ سہا سکتے۔ قومی مشروب گنے کا رس، قومی شاعر علامہ اقبال اور قومی زبان اردو ہے، جس کو شاید اب تک اپنا مقام نہ مل سکا۔ اس زبان نے کئی مصنف، کئی کہانی کار جنم دیے لیکن افسوس کہ یہ انگریزی کے مدمقابل نہ ہو سکی۔ پاکستان کا قومی نعرہ ہمیشہ سے ''زندہ باد'' رہا۔ جو آج بھی گونجے تو دل کی دھڑکنیں تیز کر دیتا ہے۔

❁

جنرل پرویز مشرف نے 22 مارچ 2002ء کو بلوچستان کے علاقے گوادر بندرگاہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس بین الاقوامی ڈیپ سی پورٹ کے افتتاح کے موقع پر جنرل مشرف کے علاوہ چین کے وزیرِاعظم ژو یانگ یو بھی شریک ہوئے تھے۔ یہ بہت دور رس کامیابیوں کا منصوبہ تھا۔

1965ء اور 1971ء کی جنگیں اور کارگل کے واقعہ کے علاوہ 5 اگست 2019ء سے بھارتی آئین کے آرٹیکل 370 کا خاتمہ کر کے کشمیریوں کی زندگی لاک ڈاؤن کے جہنم میں دھکیل دی گئی۔ 5 اگست 2022ء کو کشمیریوں کے لاک ڈاؤن کے تین سال مکمل ہو چکے تھے۔ دنیا کے منصفوں کو کوئی کچھ نہیں سمجھا سکا ہے۔ اس وطن

نے ہمیشہ بہت سے مشکلات دیکھی ہیں، لیکن مسئلہ کشمیر ہماری شہہ رگ جیسا ہے۔ اس کے لیے آج بھی ہم نہ صرف آنسو بہاتے ہیں بلکہ جنگ کرنے کو تیار ہیں لیکن اقوام متحدہ میں یہ کیس دے کر بھارت نے ہمارے ساتھ ہمیشہ کی طرح ناانصافی کی ہے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے کچھ ایسی باتیں ہمارے جوش کو بڑھا دیتی ہیں جو دین ہمیں پہلے ہی بتا چکا ہے۔ غزوہ ہند مسلمانوں کی نظر میں ایک جہاد کا درجہ رکھتا ہے جس کے متعلق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی۔ اس پیش گوئی کے بقول ہندوستان میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک جنگ ہو گی جس میں مسلمان فتح یاب ہوں گے۔ بعض مسلمان اسے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک قرار دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ مسئلہ کشمیر کا حل ہے جس کے لیے پوری دنیا سے مسلمان لائحہ عمل ہوں گے اور ہندوستان پر چڑھائی کریں گے۔

جب کبھی بھی بھارت کشمیر پر اپنے مظالم کو بڑھاتا ہے ''لبیک غزوہ ہند'' کا نعرہ سننے میں ملتا ہے۔ یہ ایک عظیم جنگ ہو گی جو ہندوستان کے خلاف لڑی جائے گی اور اس میں فتح ہم مسلمانوں کی ہو گی۔

بہر حال حکومتیں آتی رہیں اور جاتی رہیں اور الحمدللہ! گزشتہ 75 برسوں میں ہمارے ملک نے بہت مضبوطی دکھائی ہے اور عزت بھی کمائی ہے۔ پاکستان کو یقیناً بہت سے مشکل اور کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا ہے لیکن پاکستان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ پاکستان ڈٹ کر کھڑا رہا ہے۔ پاکستان الحمدللہ! آج ایک ایٹمی قوت ہے۔ پاکستان کی مسلح افواج دنیا کی بہترین افواج میں سے ایک ہیں۔ پاکستان وہ واحد ملک ہے جس نے دہشت گردی کے عفریت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے میں بہت اہم کردار ادا کیا اور اس کی کارکردگی دنیا کے دیگر ممالک سے بہت بہتر رہی۔

آج بھی پاکستان متعدد میدانوں میں باوقار ممالک کی صف میں کھڑا ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں جب پاکستان خود کو ملے ان حالات پر ایک ایک کر کے قابو پالے گا اور ملک صحیح معنوں میں ترقی و خوشحالی اور وقار کی منازل طے کرے گا۔ 2022ء کے اس سیلاب کی صورت حال میں جب میں اپنے وطن کے نوجوانوں کو بڑھ چڑھ کر امداد میں حصہ لیتا دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی سوچ غلط ثابت ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ ہماری عوام بے حس ہو چکی ہے۔

نہیں ایسا نہیں ہے، میں نے دیکھا ہے انھیں۔ یہ زندہ دل لوگ ہیں۔ جو ابھی بھی وطن پر آئی کسی بھی مصیبت کے لیے فوراً لبیک کہنے کو تیار ہیں۔ اس وقت حالات کافی پیچیدہ ہیں ہمارے اعمال نے ہمیں ایسے حکمران دیے جو نااہل تھے مگر اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے جذبے کو دیکھتے ہوئے رب ضرور ہمیں ایسے حکمران عطا کرے گا جو اس ملک پاکستان کو ترقی دیں گے۔ یہاں وہی اسلامی ریاست ہو گی جس کا خواب ہم لوگوں نے دیکھا تھا اور جس کی ہجرت کر کے ہم یہاں آئے تھے۔ یہاں حمزہ اور باجی جیسے کتنے لوگ آباد ہیں جو اپنوں کو قربان کر کے یہاں آئے۔

حمزہ اکثر مجھ سے شکایت کرتا تھا کہ ہمارے بچے آزادی کی صحیح سمجھ بوجھ نہیں رکھتے انھیں پتا ہی نہیں ہم لوگوں نے کس قدر مشکلات کے ساتھ یہ وطن حاصل کیا۔

وہ اکثر یہ الفاظ مجھ سے کہا کرتا ہے۔

''ماموں! میں وطن کا وہ بیٹا ہوں جس نے ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے ہجرت کی تلخی کو بن ماں کے جیا اور میری ماں اس قوم کی وہ ماں ہے، جس نے اپنے بیٹے کی جدائی میں دو بیٹوں کی پرورش کی اور اسی دکھ کے ساتھ اس دنیا سے چلی گئی۔''

اور میں اکرم، نواسی سال کا وہ بوڑھا ہوں جس نے ہجرت کے بعد پچھتر سال اس سرزمین پاکستان پر گزارے جو اب ایک صرف بوڑھی داستان رہ گئی ہے۔ ایسی داستان جسے مجھ جیسے ہجرت کے بوڑھے ہی یاد رکھے ہیں۔ ہمارے بچے اس بنی بنائی زمین کو اپنی ملکیت تو سمجھتے ہیں مگر اس کی اہمیت وہ ابھی تک سمجھ نہیں پائے۔

الوداع اے عزیم بوڑھی داستان! تمھارا ایک اور فرزند زندگی کی آخری سانس اس سرزمینِ آزادی پر لینے والا ہے۔

❁

....